عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!!

ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ / اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۱۵ء

زیرِ سرپرستی : مولانا پروفیسر ڈاکٹر سید سعید اللہ دامت برکاتہم

بانی : ڈاکٹر فدا محمد مدظلہ (خلیفہ مولانا محمد اشرف خان سلیمانیؒ)

مجلسِ مشاورت : حاجی شیر حسن صاحب، مفتی آفتاب عالم، مولانا محمد امین دوست
مولانا محمد طفیل، قاضی فضل واحد، مولانا طارق علی شاہ بخاری

مدیرِ مسئول : ثاقب علی خان

مجلسِ ادارت : ڈاکٹر محمد طارق، محمد الطاف حسین، حافظ عماد الحق، ظہور الٰہی فاروقی
ڈاکٹر زیاد طارق

قانونی مشیران: ثاقب وزیر صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)، سیف اللہ خلیل صاحب (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

Reg No. P476

جلد: سیزدھم شمارہ: 12

جلد: چاردھم شمارہ: 1,2

فی شمارہ : -/15 روپے (شمارہ ھذا: -/45 روپے)

سالانہ بدل اشتراک : -/200 روپے

ملنے کا پتہ : پوسٹ آفس بکس نمبر 1015، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل : physiologist72@hotmail.com

saqipak99@gmail.com

ویب سائٹ : www.darwaish.org

رسالہ جاری کروانے اور بذریعہ موبائل ترسیلِ زر کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں 0313 979 2537

(موبائل فون سے ترسیل زر کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی 'U پیسہ' کی دوکان سے دئے گئے فون نمبر پر پیسے بھیج دیں۔ یہ پیسے یہاں اسی 'U پیسہ' کی دوکان سے رسالہ کا منتظم وصول کرلے گا۔ اس پر کچھ ٹیکس بھی ہے جو مبلغ دوسو روپے کے علاوہ ہوگا)

تمام گزشتہ شمارے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں۔

فہرست

اداریہ

(۱)

سانحۂ منیٰ

رمی جمرات (یعنی شیطانوں کو کنکریاں مارنا) پلازہ کی جونئی تعمیر سعودی حکومت نے کی تھی اس سے حادثات ہونے کا امکان مکمل ختم ہوگیا تھا۔ تین چار سال بہت آسان اور آسودہ گزرے کہ اچانک اس سال پھر رمی جمرات کے دوران اموات کا انتہائی ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا۔ برقی و تحریری ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک اینڈ پرنٹ میڈیا) کے ذریعے یہی بات سامنے آئی کہ ایرانی رمی جمرات کے بعد قاعدے اور قانون کے مطابق یکطرفہ راستے (ون وے) کی پابندیوں کو توڑتے ہوئے واپس مڑ آئے۔ سعودی پولیس کے روکنے پر انھوں نے بات نہیں مانی اور ہاتھا پائی کی کوشش کی جس کے نتیجے میں افراتفری پھیلی اور اموات واقعہ ہوگئیں۔

خدانخواستہ اگر یہ بات قصداً کی گئی ہے تو پھر ایسے جذبات کے ساتھ ان ایرانیوں کو باقی امت کے ساتھ چلنے کا حق کیسے مل سکتا ہے؟ اگر قصداً نہیں خطاء کی گئی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ایرانی حکومت کے محکمۂ حج کی انتہائی کوتاہی ہے کہ آنے والے حاجیوں کی اتنی تربیت بھی نہیں کر سکے۔ سارے طبقات کو امتِ مسلمہ کی چھتری کے نیچے چلنے کے لئے اپنے فرقہ واریت کے گھناؤنے جذبات کو ترک کرنا ہوگا ورنہ ٹکڑوں میں بٹ کر ذلت آمیز خاتمے سے ہمکنار ہوجائیں گے۔ خصوصاً وہ لوگ جن کے عقائد اس حد تک بھٹک چکے ہوں کہ ان پر کفر کا فتویٰ صادق آتا ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں تو وہ زندیق ہوجاتے ہیں اور زندیقوں کا عام مسجد، مسجد نبوی ﷺ اور مسجدِ حرام میں داخلے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ جیسے قادیانی، پرویزی، غامدی یا کسی

بھی نام سے کوئی گروہ جو اس قباحت کا شکار ہو چکا ہو۔ ان طبقات کو اپنے ساتھ رکھنا گویا آستین کا سانپ پالنا ہے۔ (ایڈیٹر)

(۲)

عید الاضحیٰ

عید الاضحیٰ کے موقع پر بعض حضرات نے اس طرح کے بیان شائع کئے کہ اپنی قربانیاں خراب نہ کرو اور جمعہ کے دن عید اور قربانی کرو۔ یہ بات اُصولِ فقہ کے حقائق کو نہ جاننے کی وجہ سے کی گئی یا ان اُصولوں کو جاننے کے باوجود نظر انداز کرنے کی وجہ سے کی گئی۔ کسی آدمی کی جب ایک ترتیب اور اس کے دلائل سے پوری تسلی ہو جائے کہ یہی حق ہے تو اس کے ذمے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کا ساری دنیائے اسلام اور علمائے پشاور کے دلائل سے پورا اطمینان ہو ان کے ذمے اسی بات پر عمل کرنا واجب تھا۔ حکومتِ پاکستان کے ذمے واجب ہے کہ باقی دنیائے اسلام کے ساتھ بحث اور مناظرہ کر کے یا ان کے دلائل کو رد کرے یا قائل ہو۔ اسی طرح پاکستان کے علما کے ذمے ضروری ہے کہ پشاور کی کمیٹی کے فیصلے کے وقت آ کر دلائل سے یا تو قائل کریں یا قائل ہوں۔

کسی ترتیب اور اس کے دلائل سے قائل ہونے کے بعد اگر حکومتِ وقت جبراً عمل نہ کرنے دے اور گرفتاریاں کر کے اذیت دے تو اس صورت میں اپنے آپ کو شر سے بچانے کے لئے آسانی والا راستہ اختیار کرنے کی گنجائش نکل آتی ہے۔ صرف اتنی بات کہ ہم باقی دنیائے اسلام اور علمائے پشاور کی رویت کو نہیں مانتے کیونکہ چاند خود ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یا برنارڈ یا لیب کے سائنسی اصولوں کے مطابق نظر نہیں آ سکتا، کافی نہیں ہے۔

(ایڈیٹر)

اسلامی تقویمِ قمری کی اہمیت

(حضرت مولانا محمد اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(نوٹ: یہ مضمون حضرت اقدس مولانا اشرف صاحبؒ کے رسالہ ''البیان'' میں اکتوبر ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا)

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری و ابدی پیام اور مکمل و عالمگیر دین ہے جس کے حقائق لازوال اور جس کے احکام بے مثال ہیں۔ یہ انسانوں کی دینی و دنیوی، معاش و معاد کی جملہ ضروریات کا رہتی دنیا تک رہنما و کفیل ہے۔ اسلام میں دین و دنیا، قیصر و خدا کی کوئی دوئی نہیں۔ یہ دینِ وحدت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایات قرآن حکیم کی صورت میں سید الانبیاء حبیبِ خدا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائیں اور آپ ﷺ کی ذاتِ عالی سے احکامِ الٰہیہ نے قولاً و فعلاً فروغ پایا اور آپ کی ذات مبارک سراپا قرآن اور ہدایت ربانی کا عملی مظہر بن کر ظاہر ہوئی۔ آپ کا ہر قول و فعل، ہر جنبش و سکون، ہر اشارہ و ادا، ہر نطق و سکوت، ہر حکم و عمل اسوہ (نمونہ) بنا۔ آپ کا نمونہ ہمیشہ کے لئے آیا اور آپ کی زندگی انسانوں کے لئے دنیوی و جاودانی بنی۔ اب جس کو جو بھی ملے گا، جہاں بھی ملے گا آپ کے منصبِ نبوت کے اقرار، آپ کی امتِ اجابت میں دخول اور آپ کے اسوۂ کاملہ کی پیروی سے ملے گا۔ ''ختمِ نبوت'' میں حکمتِ ربانی نے ''رحمت'' کے جملہ دوائر کو سمو دیا اور ''رحمۃ للعالمینی ردا (چادر)'' تمام جہانوں پر تان دی گئی بلکہ ''زمان و مکان کی وسعتیں'' اس کے اندر سمیٹ و لپیٹ دی گئیں۔ آپ ﷺ کے ظہور اقدس کے بعد آپ کی راہ سے جو بھی بچلا، بہکا، یا ہٹا، گمراہی و جہالت، سرکشی و ظلم کی وادیوں میں جا بھٹکا۔ آپ ﷺ کی تعلیمات نے بتایا کہ کونین کے جز و کل کی طرح توقیت و تقویم (کلینڈر) کا حساب بھی اللہ تعالیٰ کے احکامِ تکوینی (کائنات کے وہ احکام جو اللہ کے حکم سے نافذ ہوتے ہیں اور انسان کے بدلنے سے بدل نہیں سکتے) کا پابند ہے۔ انسان اپنی خواہش سے جیسے سورج و چاند کی گردشوں اور رفتار کو نہیں بدل سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے

مقرر کئے ہوئے ماہ وسال کے حساب میں تغیر وتبدیلی نہیں کرسکتا، وہ جیسے سورج کے موسموں کو آگے پیچھے نہیں کرسکتا، خریف بہار میں اور سردی گرمی میں نہیں لاسکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ماہ وسال بھی اس دسترس سے باہر ہیں۔ اس کا بھلا اس میں ہے کہ جیسے منشائے ربانی ہے ان سے اسی طرح استفادہ کرتا رہے۔

قرآن حکیم کتابِ ہدایت ہے، تکوینیات اصالۃً اس کا موضوع نہیں، لیکن ہدایت یابی، عبرت پذیری یا احکامِ الٰہی کی ادائیگی سے ان کا جس قدر تعلق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی خوب وضاحت فرما دیتا ہے۔ سورج و چاند اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کی پیدائش اور وجود و بقا میں بیشمار تکوینی فوائد حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ حکمتِ الٰہیہ نے ان دونوں کو صرف تکوینی ضروریات ہی کے لئے مختص نہیں کیا بلکہ بیشتر دینی احکام وارکان کی ادائیگی کو شمس وقمر کے سلاسل کا پابند اوران کے نظاموں کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ ان کی تشریعی اہمیت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج جیسے بنیادی ارکان کی بجا آوری کا تعلق سورج و چاند کے نظاموں کیساتھ وابستہ ہے۔ دیگر بہت سے احکام ومصالح دینیہ بھی ماہ وسال کے حساب کے تابع ہیں۔ قرآن کریم نے سورج و چاند کی توقیت وتقویم کے بارے میں مختلف مقامات پر کلام فرمایا ہے جس سے شمسی وقمری نظاموں کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے اور تقویم خصوصاً قمری تقویم کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس بارے میں چند آیات نقل کرتا ہوں۔

(۱) وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰسٓ:۳۷ تا ۴۰)

ترجمہ: اور ایک نشانی (اللہ تعالیٰ کی قدرت وعابقیت کی) ان لوگوں کے لئے رات ہے کہ ہم

اس (رات) پر سے دن کو اتار لیتے ہیں۔ سو یکا یک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے اور یہ اندازہ باندھا ہوا ہے (اس خدا کا جو زبردست علم والا ہے اور چاند کے لئے ہم نے اس کی منزلیں مقرر کردیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور ہر (ایک) اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

(۲) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ. (یونس:۵)

ترجمہ: وہ (اللہ) وہی ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشنی اور اس (یعنی چاند) کے لئے منزلیں مقرر کردیں۔ تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو اور اللہ نے یہ چیزیں بے مقصد نہیں پیدا کیں۔

(۳) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ (البقرۃ:۱۸۹)

ترجمہ: آپ سے لوگ نئے چاندوں کی باب میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ وہ چاند آلۂ شناختِ اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔

(۴) اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَکُمْ (التوبہ:٣٦)

ترجمہ: بیشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہی مہینہ ہے۔ کتابِ الٰہی میں (اس روز سے) جس روز کہ اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے ان میں چار (مہینے) حرمت والے ہیں۔ یہی دینِ مستقیم ہے سو تم ان (مہینوں) کے باب میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔

(۵) وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (الکھف:۲۵)

ترجمہ: اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اوپر اور رہے (یعنی شمسی حساب سے تین سو برس اور قمری حساب سے تین سو نو برس رہے)

مندرجہ بالا آیات اور دیگر قرآنی آیات پر غور و تامل سے چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ واسعہ اور حکمتِ بالغہ سے سورج و چاند کو پیدا فرما کر اپنے احکام کا دونوں کو پابند فرما دیا۔ یہ اسی غالب و زبردست علم والے کے لگے بندھے مقررہ ضوابط و طرق اور حدود و قیود ہیں جس کے اندازوں کے آگے سورج و چاند دونوں سرافگندہ، مجبور و مقہور ہیں، جو مدار، سمت، دائرے، منزلیں، بروج و ٹھکانے، راستے و موڑ، اوقات اور وقفے ان کے لئے مقرر فرما دیئے گئے، ان سے وہ سرِ مو انحراف نہیں کر سکتے۔

دوسری آیتوں میں ارشاد ہے:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (الانعام:۹۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) صبح کا نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کی چیز بنایا ہے اور سورج اور چاند (کی رفتار کو) حساب سے رکھا ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ (ابراھیم:۳۳)

ترجمہ: اور مسخر کیا واسطے تمہارے سورج اور چاند کو ہمیشہ پھرنے والے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی (لقمان:۲۹)

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) حکم اپنے میں لگا رکھا ہے سورج اور چاند اور ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے گا۔

چاند کا اپنا مدار، رفتار، دائرہ اور منازل ہیں جس سے مہینہ بنتا ہے۔ چاند کبھی ہلال بن کر طلوع ہوتا ہے اور پھر بڑھتا ہے، بدر بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔ محاق و سلخ پر پہنچتا ہے، ۲۸ دن دکھائی

دے کر آنکھوں سے مستور ہو جاتا ہے اور ۲۹، ۳۰ منازل طے کر کے پھر ''نئے چاند'' کے روپ میں ظاہر ہوتا ہے۔ سال کے بارہ مہینے اسی طرح اس کی منازل طے ہوتی رہتی ہیں۔ چونکہ چاند کی رویت اور اس محاق وانسلاخ مشاہدہ اور رویت پر مبنی ہے اس لئے دنیا میں ماہ وسال کا حساب قمری حساب ہی سے رہا اور قومیں عموماً اس حساب کو اپناتی رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکمت الٰہیہ نے فطرتی الہام کے طور پر انسانیت کے قلوب میں قمری ماہ وسال کی شناخت اور اس کے استعمال کا داعیہ پیدا فرما دیا تھا۔ چنانچہ مختلف النسل اقوام وملل نے چاند کی تقویم اور قمری مہینوں اور سال کو تاریخِ انسانی کے ابتدا سے معمول بہا بنائے رکھا جس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ مختلف زبانوں میں ''مہینہ'' کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ اس زبان میں ''چاند'' کے لفظ سے ہی عبارت و متعلق ہے۔ آریائی زبانوں کو لیجئے۔ ہندی میں ''مہینہ''، سنسکرت میں ''ماس''، فارسی میں ''ماہ''، انگریزی میں ''منتھ'' (Month)، جرمن میں ''مونیٹ'' (Monat)، لاطینی میں ''منسز'' (Mensis)، اس زبان کے ''چاند کے ہم معنیٰ'' لفظ کے مترادف یا اس سے مشتق ہیں۔ یہی حال سامی زبانوں کا ہے۔ عربی کا لفظ ''شہر'' جو مہینے کے لئے مستعمل ہے، قدیم ''چاند دیوتا'' کا نام تھا۔ ''سنہ'' بھی غالباً سامی چاند دیوتا ''سِن'' سے نکلا ہے۔ ''عام'' جو سال کے معنی میں ہے وہ بھی ''عم'' چاند دیوتا سے نکلا ہے۔ (واللہ اعلم)

مختلف قوموں کا شروع تاریخ سے چاند کے حساب پر متفق ہونا اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ ایک فطری تقاضا تھا جسے چاند کی سہل روایت نے تقویت بخشی اور بنی آدم اپنا ماہ وسال کا حساب ''قمری'' تقویم وکیلنڈر کے مطابق رکھنے پر مجبور ہوئے۔ ازمنہ قدیمہ سے مختلف اقوامِ عالم کا قمری حساب کا اختیار کرنا ایک امی (فداہٗ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے کہلوائے گئے اس ربانی بول کی حقانیت اور صداقت پر شاہد عدل ہے: يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ (البقرۃ: ۱۸۹) ترجمہ: آپ سے لوگ نئے چاندوں کے باب میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ چاند آلہ شناخت اوقات لوگوں کے لئے اور حج کے لئے ہے۔

اہلِ عرب بھی ہزار ہا سال تک خالص قمری تقویم کے پابند رہے۔ امام رازیؒ نے تو تصریح کی ہے کہ ان کے ہاں قمری سال تھا جو انھیں سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام سے توارثاً ملا تھا۔ (تفسیر کبیر ص:۶۳۳ ج:۴)

علامہ آلوسیؒ نے بھی سورۃ توبہ کی آیت ۳۶ میں اس قمری سال کی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

الدین القیم ای المستقیم دین ابراھیم و اسمٰعیل علیه السلام و کانت العرب مذتمسکت به وراثة منهما. (روح المعانی. ص:۳۰۳، ج:۳)

(یہاں) الدین القیم سے مراد وہ مستقیم دین ہے جو سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کا دین تھا اور عرب اس (قمری تقویم) کو ان سے ہی وراثت میں مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔

چاند کی منازل اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیں اور ان کا فائدہ یہ بتایا گیا ''تاکہ تم برسوں کا شمار اور حساب جان لیا کرو''۔ منشائے ربانی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وقت اور زمانہ کا حساب تقویمِ قمری کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگلے الفاظ اس کی مزید تائید فرما رہے ہیں۔ سورۃ توبہ اور سورۃ یونس کی مذکورۃ الصدر آیات کا مشترکہ مفاد بھی یہی ہے کہ شریعتِ الٰہی میں معتبر قمری سنہ کا حساب اور اس کے بارہ مہینے ہیں اور مسلمانوں کو اپنے عبادات اور معاملات میں سنہ قمری کی پابندی واجب ہے۔ عجمی، ہندی، انگریزی کی پابندی اس حساب کو چھوڑ کر جائز نہیں۔

چنانچہ امام رازیؒ ارقام فرماتے ہیں:

قال اهل العلم الواجب علیٰ المسلمین بحکم هذا الایة ان یعتبروا فی بیوعهم و مدد دیونهم و احوال زکوٰتهم و سائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولا یجوزهم اعتبار السنة العجمیة والرومیة.

(تفسیر کبیر، ص:۶۳۶، ج:۴)

اہلِ علم کہتے ہیں: اس آیت (سورۃ توبہ:۳۶) سے مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ

اپنی خرید وفروخت، قرضوں کے حساب اور زکوٰۃ کے معاملات اور اپنے سارے احکام میں سنہ عربی قمری کا اعتبار واہتمام کریں اور ان کے لئے عجمی یا رومی سال کا اعتبار جائز نہیں۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

هذه الاية نزل على ان الواجب تعليق الاحكام من العبادات وغيرها انها يكون بالشهور و السنين التى تعرفها العرب دون الشهور التى تعتبرها العجم والروم والقبط وان لم تزد على اثنى عشرا شهرا (احکام القرآن القرطبی، ص:۱۳۳، ج:۸)

"یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جملہ احکام عبادات وغیرہ کا تعلق (واعتبار) ان مہینوں اور سالوں کے حساب سے ہو جنھیں عرب جانتے ہیں (یعنی قمری تقویم وحساب سے) نہ کہ ان مہینوں کے حساب سے جنہیں عجم، روم اور قبط وغیرہ معتبر سمجھتے ہوں گو وہ اپنے حساب کو بارہ ماہ سے زیادہ نہ بھی بڑھائیں۔"

علامہ آلوسیؒ نے اثنیٰ عشرا شهراً (بارہ مہینے) کی تفسیر کرتے ہوئے کیا پیارے الفاظ لکھے ہیں: وهى الشهور القمرية المعلومة عليهايدورفلك الاحكام الشرعية۔(روح المعانی، ص:۳۰۲، ج:۳) "اور یہ معلوم قمری مہینے ہیں کہ احکامِ شریعت کا دائرہ انہیں کے گرد گھومتا ہے۔" اور یہی الفاظ ابوالسعود نے بھی لکھے ہیں۔ (تفسیر ابوالسعود برحاشیہ تفسیر کبیر، ص:۶۳۳، ج:۴)

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے "قل هى مواقيت للناس والحج" کی تفسیر پر عجب جامع فائدہ لکھا ہے، ارقام فرماتے ہیں: آپ فرما دیجئے کہ (فائدہ اس کا یہ ہے کہ) وہ چاند (اپنے اس گھٹنے بڑھنے کے اعتبار سے لزوماً یا سہولۃً) آلۂ شناخت اوقات ہیں، لوگوں کے (اختیاری معاملات مثل عدت ومطالبہ حقوق کے لئے) اور (غیر اختیاری عبادات مثلاً) حج (وزکوٰۃ وروزہ وغیرہ کے لئے) مطلب کہ سورج تو اپنے تشکل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے گو مطالع ومغارب کے اعتبار سے ہر روز وہ بھی مختلف ہوتا رہتا ہے، لیکن وہ امر خفی ہے اور ایک مدت تک اس کا فرق

ظاہر نہیں ہوتا اور کسوف (دائم اور معین نہیں بخلاف چاند کے کہ جلد جلد اس کے تشکلات مختلف ہوا کرتے ہیں۔ پھر ہر ماہ ایک ہی ضابطہ پر ہوتے رہتے ہیں اور وہ اختلاف ایسا بین ہے کہ ہر کہ ومہ بے تکلف اس کو محسوس کرتا ہے اس لئے عام طور پر مختلف طبقات اور درجات کے آدمیوں کو جیسا قمری حساب سے اوقات کا انضباط اور انتظام سہل ہے، شمسی حساب سے ممکن نہیں۔ لہٰذا شریعت نے بالا صالۃ قمری حساب پر احکام وعبادات کا مدار رکھا ہے کہ سب کا اجتماع واتفاق ان امور میں سہولت سے ممکن ہو پھر بعض احکام میں تو اسے لازم کر دیا ہے کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار رکھنا جائز نہیں، جیسے حج وروزہ، رمضان وعیدین وزکوٰۃ وعدت طلاق وامثالہا، اور بعض میں گو اختیار دیا ہے، جیسے کوئی چیز خریدی اور وعدہ ٹھہرا کہ اس وقت سے ایک سال شمسی گذرنے پر زرِ ثمن بیباک کریں گے۔ اس میں شرع نے مجبور نہیں کیا کہ سالِ قمری ہی پر مطالبہ کا حق ہو جاوے گا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ابتداً قمری پر مدار رکھا جاوے تو عام طور پر پھر سہولت اس میں ہے۔

(تفسیر بیان القرآن، ص:۱۰۷، ج:۱)

اسلام ہر بات میں ممکن سہولت کا داعی ہے، قرآن کہتا ہے: **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** (البقرۃ:۸۵) ”اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں۔“ حدیث شریف میں ہے:

انما انا بعثت بالملة السمحة او السهلة الحنيفية البيضاء (مسند احمد بن حنبل، ص: ۲۶۶، ج:۵)

”میں سہل اور آسان روشن حنیفی دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔“

قمری حساب کو شمسی حساب پر ترجیح دینے میں ایک وجہ اسلام کی یہی سہولت پسندی ہے۔ شمسی تقویم حساب و کتاب کو چاہتی ہے۔ ہر ان پڑھ، بے علم، تہذیب وتمدن سے کورا، جنگلات و صحراؤں میں رہنے والا شخص اس کا اہتمام نہیں کر سکتا، اس لئے ایسے طبقات کی رعایت کرتے ہوئے حضورِ انور ﷺ نے ”مہینہ“ کے دنوں کا بیان فرماتے ہوئے کیا بلیغ انداز اختیار فرمایا:

انا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وعقد الابهام فی الثالثة، الشهر هكذا وهكذا وهكذا يعنی بتمام ثلاثين. (جمع الفوائد، ص:۴۱۱، ج:۱ بحوالہ بخاری ومسلم ابوداؤد ونسائی)

''ہم ایک امی امت ہیں، ہم نہ تو لکھ سکتے اور نہ حساب کر سکتے ہیں۔ (پھر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو یکجا کھول کو ان سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مہینہ ایسا و ایسا اور ایسا ہے۔ (تیسری بار انگوٹھا مبارک بند فرمالیا۔ یعنی مہینہ انتیس دن کا ہے) دوبارہ بھی اسی طرح اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا: مہینہ ایسا اور ایسا اور ایسا یعنی پورے تیس دن کا ہے۔''

اس کا مدعا یہ نہیں کہ آپ کو انتیس یا تیس کے اعداد نہیں آتے یا امت بالکل لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتی۔ بلکہ صرف امت کے ان طبقات کی رعایت تھی جو لکھنا اور حساب نہیں جانتے ورنہ بقول شبستری ؎

امی و گویا بزبان فصیح از الف آدم تامیم مسیح

ترجمہ: وہ ان پڑھ تھے لیکن آدم علیہ السلام کے الف سے لے کر مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے میم تک فصیح زبان سے بولے۔

یہ دین فطرت نہاد اور آسان ہے، ہر طبقہ کو آسانی بخشی، رعایت کا اہتمام فرمایا، اس لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کھل کر اعلان کر دیا:

ان هذا الدين يسر ولن يشاد الدين احد الاغلبة. (جمع الفوائد، ص:۳۴ ج:۱، بحوالہ بخاری)

''یہ دین آسان ہے جو کوئی شخص دین سے سختی میں مقابلہ کرے گا (یعنی دین کو سخت بنائے گا، تو دین اس کو مغلوب کر دے گا۔'' مہینہ کے بارے میں اس آسانی کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جب چاند آنکھ سے نظر آجائے تو انتیس کا مہینہ ہوا اور نظر نہ آئے تو تیس کا مہینہ شمار کرو، کسی آلہ وحساب کی ضرورت نہیں۔

رمضان کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اذا رأيتم الهلال فصوموا واذا رأيتموه فافطروا فان غم عليكم فصوموا ثلاثين يوماً.

(جمع الفوائد ص ۴۰۹ ج ۱، بحوالہ بخاری مسلم ونسائی)

''جب ہلال کو اپنی آنکھوں سے دیکھو تو روزہ رکھو اور جب (دوبارہ عید کے) چاند کو آنکھوں سے دیکھو (اگر انتیس دن بھی گذرے ہوں تو) افطار کرو اور اگر نہ دکھائی دے تو تیس دن (مہینہ کے) پورے کرو۔''

قمری حساب میں موسموں کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ چاند کی بارہ رویئوں پر جو کبھی ۲۹ کبھی ۳۰ دن میں پوری ہوتی ہے، اس طرح ایک قمری مہینہ بنتا ہے۔ چاند کی گردش کی مجموعی مدت اہلِ ہیئت کے نزدیک 354.4834 دن ہوتی ہے۔ (اس میں کچھ معمولی سا اختلاف بھی ہے) اس سے کم مدت میں تیرھویں بار چاند ہرگز نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہی قمری سال مسلمانوں کی ہجری تقویم میں معتبر گنا جاتا ہے۔

قمری سال کے علاوہ دوسری تقویم شمسی سال کی ہے، اللہ جل جلالہٗ زمین کی ایک گردش سے جو سورج کے گرد ہوتی ہے، شمسی سال کو وجود بخشتے ہیں۔ (شانِ الٰہی ہے کہ سورج بھی چل رہا ہے اور اس کے ساتھ پورا نظامِ شمسی بھی متحرک ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم) اہلِ ہیئت کے نزدیک یہ سال 365.24199 دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح شمسی سال اور قمری سال میں تقریباً پونے گیارہ دن (10.75879) کا سالانہ فرق پڑ جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اہلِ کہف کے قصہ میں آتا ہے:

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا (الکھف: ۲۵)

''اور وہ (لوگ) اپنے غار میں تین سو برس تک رہے اور نو برس اور رہے۔'' اہلِ تفسیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کا قول اور سلف سے نقل کیا ہے کہ تین سو برس سے شمسی سال مراد ہیں اور نو برس مزید (یعنی ۳۰۹ سال) سے قمری سال مراد ہیں۔ (معالم التنزیل، البحرالمحیط وغیرہ) ابنِ کثیرؒ وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ تین سو سال میں نو سال کا تفاوت شمسی اور قمری حساب میں پڑ جاتا ہے کہ ہر سو

سال میں شمسی اور قمری سال میں تین سال کا فرق ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ حساب موجودہ اہلِ ہیئت کے حساب کے بھی مطابق ہے، چند کسور کا فرق ہے، سو فقیر سمجھتا ہے کہ یہ انسانی علم کی کوتاہی کی وجہ سے ہے، ورنہ پورے تین سو سال میں تین سال کا ہی فرق حق و درست ہے۔ موجودہ اہلِ ہیئت کے اور قرآنی حساب میں ایک سال میں صرف 2.8223948 گھنٹہ، مہینہ میں 0.2353371 گھنٹے اور دن میں 28.6684 سیکنڈ کا فرق ہے۔ خیال رہے کہ اہلِ ہیئت بھی سو فی صد اپنی بات پر متفق نہیں۔ تاہم یہ اعجازِ قرآن ہے کہ ایک امی ﷺ پر نازل شدہ وحی وہ بتا رہی ہے کہ آج جب چاند زمین کا آنگن بن گیا، اس کے اور ان کے حساب میں فرق نہیں اور اگر ہے تو انسانی ناقص علم کا قصور ہے۔ (واللّٰہ اعلیٰ واجل وعلمہ اتم) شمسی سال بھی یکساں بارہ مہینوں پر منقسم نہیں بلکہ مختلف اقوام مختلف دنوں کی تعداد میں تقسیم کرتی ہیں، پھر بھی کسور رہ جاتے ہیں اور چار سو سال میں موسم اور مہینہ میں فرق پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے شمسی کیلنڈر میں بھی بارہا تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ سورج کا سالانہ دورہ عام آدمی آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا اور تقویم کیلنڈر کے جانے بغیر سوائے موسموں کی تبدیلی کے اس کا ادراک بھی مشکل ہے۔

سورج کا اپنا دائرہ، مدار سمت اور رفتار ہے، اللہ جل جلالہٗ نے اسے روشنی و چمک اور گرمائش سے نوازا، زمین کا رابطہ خاص زاویہ سے اس کے ساتھ قائم فرما کر زمین کو بھی گردش عطا فرمائی اور ان گردشوں اور سورج کی روشنی سے سلسلہ روز و شب اور ان کے گھٹنے بڑھنے کا انتظام فرمایا۔ اس طرح قدرت ربانیہ نے اس کی روشنی گرمائش اور تمازت کو موسموں کی تبدیلی اور دیگر متعدد امور و اشیا جن پر زمین پر حیاتِ انسانی کا مدار ہے، سورج کو سبب قرار دیا ہے۔ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم۔ (یہ اندازہ (اور نظام) قائم کیا ہوا ہے غالب علم والے کا)

مختلف قطعاتِ ارضی میں سورج کے طلوع و غروب اور دلوک یعنی ڈھلنے کو نماز کے اوقات کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا۔ نماز کے بارے میں صرف ایک آیت نقل کرتا ہوں جس میں پانچوں

نمازوں کے اوقات آ گئے:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ط
اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا (بنی اسرائیل:۷۸)

''ترجمہ: سورج ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے ہونے تک نمازیں ادا کیجئے اور صبح کی نماز بھی۔ بیشک صبح کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔(اس میں پانچوں نمازیں آ گئیں)''

دلوک ڈھلنے کو کہتے ہیں، سورج زوال کے وقت سمت الراس سے ڈھلتا ہے، پھر نگاہ سے نیچے آتا ہے، پھر افق میں سے غروب ہوتا ہے، پھر شفق کے چھپنے پر رات کے اندھیروں (غسق الیل) میں ڈوب جاتا ہے۔ ان میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب، عشا آ گئیں، طلوع فجر کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ گویا سب نمازیں سورج کی یومیہ حرکات اور اس کے ذریعے پیدا کردہ اوقات کے ساتھ متعلق ہیں اور سورج کی خدائی کے انکار کے لئے اس کے زوال، چھپنے اور ڈوبنے اور نکلنے سے پہلے کے اوقات میں نماز کو رکھا گیا ہے۔ (یعنی چڑھتے سورج کے اوقات میں کوئی فرض نماز نہیں آتی) اسی طرح سورج اور زمین کی گردشوں کو ملا کر موسموں کے تغیر سردی، گرمی، بہار، خزاں کو فصلوں کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا گیا۔

اسلام سے پیشتر یہود و نصاریٰ، قدیم اقوام اور اہلِ جاہلیت کے میلے، دینی رسمیں چونکہ موسموں کے تغیرات پر عموماً مبنی ہوتی تھیں، اس لئے گو وہ قمری حساب کے بھی پابند ہوں ان ''موسموں'' کی رعایت سے اپنے قمری حساب میں تغیر کر لیتے تھے جسے ''لوند'' یا ''کبیسہ'' یا ''النسی'' کہتے ہیں، جس سے وہ قمری سال میں تین سال بعد ایک ماہ بڑھا کر اسے شمسی کے مطابق بنا دیتے ہیں۔ اس سے سارے قمری نظامِ تقویمی میں فرق پڑ جاتا۔ جاہل عربوں نے یہ طریقہ یہود سے سیکھا تھا اور ابراہیمی شریعت کے مسلمہ محترم مہینوں کو بھی اپنے دنیاوی مفاد کے لئے بدل دیتے تھے۔ کبھی

سال کے بارہ کی بجائے تیرہ یا چودہ مہینے کر دیتے۔ کبھی اپنی ذاتی ونفسانی مفادات کو پورے کرنے کیلئے کبھی کسی مہینہ کو محترم قرار دے لیتے کبھی کسی کو، اور خدا کے مقرر کردہ چار مہینوں ذیقعد، ذوالحجہ، محرم، رجب کی بجائے اپنے مفاد کے مطابق کسی چار مہینوں کو محترم قرار دے لیتے، قرآن کریم نے اس ناجائز لونداور تغیر وتبدل اور مہینوں کے اپنی جگہ سے ہٹا دینے کو کفر میں زیادتی قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (التوبہ: ٣٧)

''مہینوں کا ہٹا دینا کفر میں اور ترقی کرنا ہے اس سے (عام) کفار گمراہ کئے جاتے ہیں۔ وہ کسی سال حرام مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اسے حرام سمجھتے ہیں تا کہ ان (مہینوں) کی جنھیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے گنتی پوری کر لیں۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں۔''

شمسی حساب اور قمری تقویم کے فرق نے اس ''النسی'' اور ''لوند'' وغیرہ کو وجود بخشا۔ قمری تقویم اپنی آسانی سہولت اور عمومیت وغیرہ کی وجہ سے جن فوائد پر مشتمل ہے اسلام نے اسے انسانوں کے واسطے مفید سمجھا اور عبادات و معاملات میں اسے مدار بنایا اور مسلمانوں کی تقویم کے لئے قرار دیا اور ملت اسلامیہ عہدِ نبوت سے اس پر عمل پیرا رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجۃ الوداع کے موقع ۱۰ھ میں لوند، کبیسہ اور النسی کی کمی بیشی کو ختم فرما کر ذوالحجہ کے مہینہ کو صحیح اس وقت پر لایا جو ''لوند'' وغیرہ سے پیشتر تھا اور حضورِ انور ﷺ نے اعلان فرمادیا:

ألا ان الزمان قد استدار کھیئة یوم خلق الله السمٰوٰت والارض، السنة اثنا عشر شهراً منها اربعة حرم. (روح المعانی، ص ۳۰۲، ج۳، بحوالہ بخاری و مسلم)

''خوب جان لو کہ زمانہ پلٹ کر اس ہیئت پر آ گیا ہے جیسا اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا فرمایا تھا، سال بارہ (قمری) مہینوں کا ہوگا۔ جس میں چار محترم مہینے ہونگے۔''

اس طرح قمری سال بغیر غل وغش اور ''النسی'' کی کمی بیشی کے مسلمانوں کا معمول بہ 'تقویم' بن گیا۔ امت اس پر عمل کرتی رہی یہاں تک کہ کیلنڈر کے ابتدائی سال کے لئے سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع حضورِ انور ﷺ کی ہجرت کے سال کو قرار دیا گیا اور اس وقت سے آج تک سن ہجری قمری پر امت کا تعامل چلا آرہا ہے۔ دینی احکام وضروریات کا مدار ہونے کی وجہ سے ''قمری حساب'' فرضِ کفایہ ہے اور ہر دور کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ قمری تقویم کی حفاظت کریں اور قمری مہینوں کے حساب کا ایسا اہتمام رکھیں کہ احکامِ شرعیہ (مثلاً روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کے حسابوں میں فرق وخلل واقع نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ ایسی صورت پیش آجائے کہ احکامِ شرعیہ کی ادائیگی میں اختلال یا غلطی ہونے لگے تو پوری امت گنہگار ہوگی۔ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر قمری حساب محفوظ رہے تو اس کے ساتھ دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے، لیکن بقول حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہٗ ''خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد (ضروری)، افضل واحسن ہے''۔ (تفسیر بیان القرآن ص ۱۱۱ ج ۴)

امت جب زندہ تھی، پورے عالم میں جہاں بھی وہ بستی تھی، اسی اسلامی قمری تقویم کو اپنائے ہوئے تھی۔ جب مغرب کے استعمار واستیلا نے اپنا صور پھونکا تو جہاں اسلامی تشخص کی دوسری چیزیں ملت کے ایک بڑے طبقے نے گم کردیں، وہاں ''قمری'' تاریخ کا رواج بھی چند محدود طبقات اور صورتوں میں منحصر ہوکر رہ گیا۔ ہمارا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔ کاش اس نئے سال کی ابتدا سے امت کا ہر طبقہ اور گروہ انفرادی واجتماعی طور پر اس ''اسلامی قمری تقویم وحساب'' کو اپنا معمول اور شعار بنالے۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب، و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

بیان

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

خطبۂ ماثورہ۔ امابعد

حجبت النار بالشھوات و حجبت الجنة بالمکارہ (بخاری شریف، کتاب الرقاق)

ترجمہ: ڈھانپی گئی دوزخ مزوں سے اور ڈھانپی گئی جنت ناگواریوں سے۔

ناگواریاں ظاہر میں ناگواریاں ہیں، محسوس ناگواریاں ہوتی ہیں، لیکن کرلیں تو پھر آگے خوشگواریاں ہیں۔ اور مزے کرتے ہوئے مزے ہیں، کرلینے کے بعد پھر بہت کڑوے ہیں، کرتے ہوئے تو مزے ہیں پر نتائج بہت کڑوے ہیں۔ لیکن انسان کی کمزوری یہ ہے کہ فوری اثر کو دیکھتا ہے، دائمی اثر کو نہیں دیکھتا۔ شوگر کے مریض کو کہتے ہیں کہ چینی نہ کھاؤ۔ یہ کتنی ناگوار بات ہے۔ اب اگر وہ مزے کے لئے کھائے تو چند دن کے بعد گردے فیل، Retina (آنکھ کا پردہ) بے کار، دل پر اثر اور پیروں کو انگلیوں کی طرف سے کاٹنا شروع ہوگیا، تو اب ناگواریاں ہیں، شروع میں کتنا مزا آرہا تھا۔ اس لئے مزے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

بزرگ بیان کیا کرتے تھے "نظر" اور "خبر"۔ نظر وہ ہے جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں یا آپ کے سامنے آرہا ہے۔ خبر وہ ہے جو سمجھدار آدمی بتا رہا ہے۔ اپنی نظر پر فیصلہ کر کے چلنا اور خبر کو چھوڑنا ہی تباہی کی بنیاد ہوتی ہے۔ ایک دیہاتی آدمی ایک درخت کی بڑی شاخ پر بیٹھا اس کو کاٹ رہا تھا اور تھا اتنا سیدھا سادہ دیہاتی کہ بونیری اس کے مقابلے میں کیا ہوگا۔ ایک آدمی گزر رہا تھا، اس نے کہا کہ دیکھیں اس طرح نہ کریں، پوچھا کیوں، اس نے کہا کہ جب اس کو آپ کاٹیں گے تو گر جائیں گے۔ اس نے کہا: ہونہہ! غیب کی خبریں کہہ رہا ہے، مشرک ہے کہ نہیں۔ گویا صحیح پنج پیری تھا، کہنے لگا غیب کی خبریں کہہ رہا ہے، غیب کا علم اس آدمی کو ہے کہ اللہ کو ہے جو کہتا ہے گرے گا۔ خیر وہ آدمی چلا گیا اور یہ کاٹتا رہا۔ جب آدھی سے زیادہ شاخ کٹ گئی تو ٹک کر کے ٹوٹی اور آدمی نیچے گرا اور چوٹیں

آئیں۔ اب وہ دوڑ کر اس آدمی کے پیچھے گیا کہ یہ بزرگ تھا، اس کو پہلے سے پتا تھا۔ کشف والہام اور کس کو کہتے ہیں، اسی کو تو کہتے ہیں۔ بے وقوفی اپنی اپنی سطح کی جدا جدا بے وقوفی ہوتی ہے۔ اس آدمی کی اس حد تک تھی۔ ہماری اس حد تک بے وقوفی ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سمجھاتے ہیں کہ تمہارے فوائد کس میں ہیں اور نقصانات کس میں ہیں اور انسان اپنی نظر سے دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کیسی عجیب باتیں کہہ رہے ہیں۔ ایک لطیفہ ہے کہ کچھ لوگ سمندر پر گئے، وہاں ایک ملاح کام کر رہا تھا، اس سے پوچھا کہ آپ کے والد کی وفات کہاں پر ہوئی، اس نے کہا کہ سمندر میں ہوئی۔ پوچھا کہ دادا کی وفات کہاں پر ہوئی، اس نے کہا سمندر میں ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کے باپ کی وفات بھی سمندر میں ہوئی، دادا کی وفات بھی سمندر میں ہوئی پھر بھی آپ نہیں سمجھے کہ اس پیشے کو ترک کر دیں۔ ملاح نے جواب دیا کہ آپ کے باپ کی وفات ہوئی چارپائی پر، دادا کی وفات بھی ہوئی چارپائی پر، آپ نے ابھی تک چارپائی کو نہیں چھوڑا!

اس لئے کہتے ہیں کہ خبر پر اعتبار کر کے کام شروع کرنا ہوتا ہے اور کام کرنے کے دوران اس سے متعلقہ دانشور نے جو بات کہی ہوئی ہو وہ نظر نہیں آ رہی ہوتی بلکہ کام مکمل ہونے کے بعد نظر آتی ہے۔ پھر اس کے نتائج سے عرصۂ دراز تک انسان لطف اٹھاتا ہے اور سہولت پاتا ہے اور مزے کرتا ہے۔ اگر نہیں مانتا تو عارضی مزے کر لیتا ہے اور دائمی مصیبت اپنے ذمے لے لیتا ہے۔ اسی طرح خباثتوں کے مزے اور چسکے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ ریگمال کی مثال بیان فرمایا کرتے تھے، جس سے دیواروں کو، لکڑی وغیرہ کو رنگساز رگڑتے ہیں، ریگمال پڑا تھا، اس پر خون لگا ہوا تھا، بلی نے آ کر اس کو چاٹا تو بڑا مزہ آیا، اس نے اور چاٹا، وہ خون تو ختم ہو گیا پر اس نے اپنی زبان جو اس پر رگڑی تو اس کا اپنا خون نکلا، اس کو بھی چاٹا، مزہ اس کا بھی تھا، وہ سمجھی کہیں ریگمال سے یہ سارا مزہ مل رہا ہے، بس زبان کو رگڑتی گئی اور زبان چھلتی گئی اور خون نکلتا گیا اور چاٹتی گئی، یہاں تک کہ اتنا خون اس کا نکل گیا کہ چکرا کر گر پڑی اور مزے کا نتیجہ نکل آیا کہ جان سے جانے کے

حالات ہو گئے۔

عورتوں کا اجتماع جو ہمارا ہوتا ہے اس میں اکثر عورتیں شکایت کرتی رہتی ہیں کہ بچے پڑھتے نہیں ہیں تو میں ان سے ایک سوال کیا کرتا ہوں: کیا آپ کے گھر میں ڈش یا کیبل ہے؟ وہ کہتی ہیں کہ موجود ہے تو میں کہتا ہوں: پھر وہ مزے کریں یا پڑھائی کی مصیبت میں اپنے آپ کو ڈالیں؟ آنکھ، کان کے مزوں میں لگیں یا پِتہ مار کر پڑھائی کریں؟ آپ نے اپنے نقصان اور تباہی کا سامان خود کیا ہوا ہے تو میں اب آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔

کچھ عرصہ پہلے رسالے میں ایک مضمون لکھوایا تھا۔ میجر ڈاکٹر عبداللطیف صاحب نے واقعہ سنایا تو ہم نے کہا کہ اس کو حوالے کے ساتھ لکھو۔ برطانیہ کی کسی عورت کا واقعہ ہے کہ اس کا شوہر مر گیا، دو بیٹے تھے جو اِدھر اُدھر آوارہ ہو گئے، کرتے کرتے ایک دن اس عورت نے ایک کو پکڑا، مارے دو چار تھپڑ اور آگے گیا، پھر دوسرے کو پکڑا اور دو چار تھپڑ مار کر آگے کیا، ٹیلی ویژن اٹھا کر گھر کے باہر Garbage Drum (کوڑے دان) میں پھینکا اور دونوں کو لے کر گئی لائبریری میں اور کہا کہ تم لوگ اندر بیٹھ کر اپنی Text Books (نصابی کتب) پڑھو اور میں تب تک باہر بیٹھ کر میگزین پڑھتی ہوں اور اتنے اتنے گھنٹوں بعد تمہاری چھٹی ہوگی پھر ہم گھر جائیں گے۔ کچھ عرصہ اس نے اپنے بچوں کے ساتھ یہ محنت اور تکلیف کی یہاں تک کہ ایک کو Cardiac Surgeon (دل کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر) اور دوسرے کو Neuro Surgeon (دماغ کا آپریشن کرنے والا ڈاکٹر) بنایا۔ تو ناگواری انھوں نے برداشت کی تب یہ سب ممکن ہوا۔ اگر وہ فلمیں دیکھنے کی خوشگواری میں رہ رہے ہوتے تو پھر مزے ہی مزے تھے۔

ہم جس وقت پڑھتے تھے اس زمانے میں کالجوں میں سیاست بہت ہوتی تھی۔ جو ذرا Talented (قابل) اور باہمت طلبا ہوتے تھے وہ طالبعلم رہنما بن جاتے۔ تقریریں کر رہے ہیں اور الیکشن لڑ رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جو باقی خوار طلبا ہوتے تھے وہ پڑھ لکھ کر ڈاکٹر، انجینئر اور

پروفیسر بن جاتے تھے یا سی ایس ایس کر جاتے جبکہ یہ طالبعلم راہنما ہی رہ جاتے۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کے کلاس فیلو طالبعلم فارغ ہو کر پوسٹوں پر آجاتے تو یہ طالبعلم راہنما سفارشوں کے لئے جاتے اور کام ہو جاتا تو بڑے خوش ہو جاتے۔ ہمیشہ کیلئے نیا افسر جب آتا ہے تو پہلے وہ اپنے یار دوستوں لنگوٹیوں کے لئے کام کر رہا ہوتا ہے، پھر اس کو پتا چلتا ہے کہ ان سے تو کچھ حاصل نہیں ہے، حاصل تو اس طریقے سے ہونا ہے کہ اہم لوگوں کے کام کریں تا کہ ان سے تعلقات بنیں، پھر کچھ عرصہ بعد مزید دانشور بنتا ہے تو کہتا ہے کہ اہم لوگوں کا کیا، قائداعظم صاحب کے لئے کام کریں گے تو اصل فائدہ ہوگا۔ قائداعظم کے کیسے کام کرتے ہیں، یہ تو جانتے ہیں نا آپ لوگ! (مجمع میں سے کسی نے جواب دیا کہ رشوت لے کر) جیسے کہتے ہیں نا کہ فلانکے افسردہ چا ہم نہ منی، قائداعظم سفارش منی (یعنی فلاں افسر تو کسی کی سفارش نہیں مانتا، صرف قائداعظم کی سفارش مانتا ہے) لوگ پوچھتے ہیں: هغه خومړه دے، کم زے نه به ئی راولو؟ (یعنی وہ تو مر چکے، اب کہاں سے لائیں انہیں؟) تو جواب ملتا ہے: چرته مړه دے! هر وخت جوئندے دے، اولیاء الله مړوی چرته۔ (یعنی کدھر مر چکے، وہ تو ہر وقت زندہ ہیں، اللہ کے ولی بھی کبھی مرتے ہیں کیا؟) تو اس مال کا انجام پھر نکلتا ہے: خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ط ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔ یہ نہیں کہا ذٰلِكَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ بلکہ کہا گیا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یعنی دنیا بھی خوار اور آخرت بھی خوار، یہی تو وہ خسارا ہے جس کے بارے میں ہم آپ سے بات کر رہے ہیں۔ اس میں 'هُوَ' کا اپنا زور ہے اور پھر خسران کے ساتھ 'ال' کی تاکید آئی اور پھر مبین کے ساتھ 'ال' کی تاکید ہے۔ اس کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ اسی لئے شاہ صاحب تین چار جملے لکھتے ہیں: یہی تو وہ خسارا ہے جس سے تمہیں آگاہ کیا جا رہا ہے، اس کے نتائج تمہارے سامنے آجائیں گے، پھر تم دیکھو گے تو خود تمہیں تجربہ ہو جائے گا۔۔۔ یہ ساری باتیں ان تاکیدات میں سماتی ہیں۔

لیکن ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ تو رزلٹ ہوتا ہے جو کہ پانچ، چھ مہینے، سال، دو

سال کی کارکردگی کے بعد آتا ہے، کارکردگی کے دوران نہیں نظر آتا۔ یہ مضمون بھی رسالہ میں لکھوایا تھا کہ ایک مجلس میں ایک آدمی نے کہا کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے قاتلوں کا تقریباً سب کا بُرا انجام ہوگیا۔ ایک اس مجلس میں بھی بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا کہ کیا برا انجام ہوا یار، میں بھی انہی میں سے ہوں، میں تو ٹھیک ٹھاک پھر رہا ہوں، مزے کررہا ہوں۔ وہاں سے جو گھر گیا تو چراغ ٹھیک کر رہا تھا کہ آگ لگی اور بس جل کر مر گیا۔ یہ بھی رسالے کا بڑا عبرت ناک مضمون تھا۔ عمرو بن سعد جو کہ اس بارہ ہزار کے لشکر کی قیادت کررہا تھا، اس کے ساتھ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے مذاکرات کیے اور پوچھا کہ تم کیوں ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں کیا کروں، میں جرنیل ہوں یزید کا، اتنی میری تنخواہ ہے، اتنی میری جائیداد ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ جائیداد اپنی جائیداد سے دے دوں گا۔ اس نے نہیں مانا۔ اور بھی دو تین عذر تھے اس کے۔ پھر اس عمرو بن سعد کو بیٹے سمیت قتل کیا گیا ہے اور قاتلوں نے کہا کہ تمہارا قتل تو قتلِ حسین کے بدلے میں ہے اور تمہارے بیٹے کا قتل ان کے بیٹے کے قتل کے بدلے میں ہے۔ تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یہ ہوتا ہے۔

سلطان حنیف صاحب نے ہمیں قصہ سنایا کہ جب وہ دیامر کے علاقے میں ایس۔ پی تھا تو گلگت کے شیعوں کا منصوبہ ہوگیا کہ اس علاقے میں جتنے سنی ہیں ان کا مکمل خاتمہ کردیا جائے۔ انھوں نے پوری تیاری کر کے حملہ کردیا۔ پاس دیامر کا علاقہ تھا، داسو، چلاس وغیرہ کا، یہ لوگ سنی تھے اور بڑے مضبوط بھی تھے۔ حکومت کا Standing Order آ گیا کہ سڑک بلاک کر کے ان لوگوں کو نہ جانے دو گلگت کی طرف۔ کہتا ہے کہ میں کیا کرتا، میں سرکاری افسر تھا، میں نے سڑک بلاک کی لیکن لوگ اطراف کے پیدل پہاڑی راستوں پر سے چڑھ گئے۔ لشکر گلگت پہنچا اور سنیوں کے کشت وخون سے بچنے کے حالات ہوگئے۔ اس پر کیس بن گیا۔ کیس کی انکوائری کے لئے وفاقی محتسب لگا۔ وہ بھی حضرت مولانا صاحبؒ کے مریدوں میں سے تھا۔ کیس اس طرح تھا کہ پولیس نفری تو بس اتنی ہی

ہوتی ہے کہ سڑک کو بلاک کرسکتی ہے، ایک ایک انچ پر تو کوئی پہرا نہیں کھڑا کرسکتا۔ اس بات پر اس کو ریلیف ملا اور یہ بری ہوگیا۔ اسی سال غیب سے حج کی منظوری ہوئی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس جب آیا تو انھوں نے کہا کہ بری ہونا اللہ کا فضل ہوا اور حج کی منظوری اللہ کا انعام ہوا۔

لیکن جب لوگ افسر بن جاتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ بس جو کچھ اوپر والے کہتے ہیں وہ ہم نے آنکھیں بند کر کے کرنا ہے۔ حالانکہ کوئی افسر بھی ان کی خلافِ قانون بات کو نہ مانے تو اس کو بھی آئین اور قانون نے تحفظ دیا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کو مجبور نہیں کر سکتے۔ وزیر صاحب، وزیرِ اعلیٰ یا وزیرِ اعظم اس کو پوسٹ سے زیادہ سے زیادہ تبدیل کر سکتے ہیں، اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمارے کتنے ہی ساتھیوں نے اس طرح سٹینڈ لیا ہے اور ٹکراؤ کر کے بڑے بڑے افسروں کو نکیل ڈالی ہے۔ ہمارے پبلک سروس کمیشن کا آخری چیئرمین ریاض نور جو تھا اس نے ہمارے مرید ارشد سے کہا کہ فلاں فیل امیدوار کو پاس کرو، رزلٹ ڈیکلیئر کرو اور اس کو انٹرویو کے لئے کال کرو۔ ارشد وہاں رجسٹرار تھا۔ اس نے کہا کہ میں نہیں کرتا۔ چیئرمین نے اس کو دوسری پوسٹ پر ٹرانسفر کر دیا۔ اس کی جگہ جب دوسرا آدمی آیا تو اس کی بھی انکار کرنے کی ہمت ہوگئی۔ چیئرمین صاحب کچھ نہیں کر سکا۔ بائیس گریڈ کی حیثیت پر بیٹھے ہوئے آدمی کو پندرہ، سولہ گریڈ والے آدمی کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے کیونکہ وہ ناحق پر تھا جبکہ یہ حق پر تھا۔ اس نے مطالبہ کیا چیئرمین سے کہ مجھے in writing دیں یعنی تحریری حکم دیں کہ فیل امیدوار کو پاس کرو، اس نے کہا میں تو نہیں لکھتا، تم Put Up کرو، یعنی رزلٹ بنا کر میرے آگے پیش کرو۔ تو ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے، انکار بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ بے غیرت ہوتے ہیں، ہمت نہیں کرتے کہ افسر سے بات کریں۔ غیرتِ ایمانی نہیں ہوتی۔ مولوی عبیداللہ صاحب نے ایک مفتی صاحب سے کہا کہ پیپسی نہیں پینی چاہیئے، کہنے لگا اس میں کیا ہے، یہ تو حلال ہے، بس ذرا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے، میں نے کہا کہ اس مفتے کے نزدیک غیرتِ ایمانی گویا کوئی چیز ہی نہیں ہے جو مفتی ہو کر ایسے منہ بھر کر کہہ رہا ہے کہ بس غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔

خطباتِ حکیم الامت۔فضائلِ صوم و صلوٰۃ

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔خطبات جلد نمبر ۱۰، صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۷)

(نوٹ:"سائحین" اور"سائحاۃ" قرآن مجید میں نیک مردوں اور نیک عورتوں کی صفات میں روزہ دار ہونے کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن ان کا معنیٰ سیاحت کرنے والا بھی ہے۔اس وعظ میں حضرت نے وضاحت کی ہے کہ اس سے ہر سیاحت مراد نہیں بلکہ حج، جہاد اور علم حاصل کرنے کی سیاحت مراد ہے)

اس پر مجھ کو ایک حکایت یاد آئی۔اس سے"سیاحۃُ الدِّین" کی شان معلوم ہوگی۔ایک قاری صاحب جو ریاست رام پور کے رہنے والے تھے، ان کو حج کا شوق ہوا۔اس وقت ان کے پاس صرف ایک روپیہ چار آنے تھے۔بس اسی طرح انہوں نے حج کا ارادہ کرلیا۔ایک روپیہ کے تو چنے بھنوائے اور چار آنے کا ایک تھیلا سلوا لیا جس میں وہ چنے بھر لئے اور پیادہ پا چل کھڑے ہوئے۔دن کو روزہ رکھتے۔راستہ میں اگر بلا طلب کھانا مل گیا تو کھا لیا ورنہ ایک مٹھی چنے کھا لئے اور پانی پی لیا۔اسی طرح کئی مہینوں میں بمبئی پہنچے۔واقعی یہ سیاحت ہے جو"ملحق بالصوم" ہے۔(یعنی ایسی سیاحت وہ سیاحت ہے جو روزے کی طرح ہے)

اب بمبئی سے آگے دریا تھا، اس میں تو چلنا مشکل تھا اور جہاز میں سوار ہونے کے لئے ٹکٹ کے دام چاہئیں اور ان کے پاس دام کہاں۔جب حاجی جہاز پر سوار ہونے لگے تو یہ بھی جہاز میں پہنچے اور کپتان سے کہا کہ مجھے بھی جہاز میں نوکری کی ضرورت ہے۔اس نے ان کی صورت عالمانہ اور بزرگانہ دیکھی تو عذر کر دیا کہ آپ کی شان کے لائق میرے پاس کوئی ملازمت نہیں۔وہ صورت سے سمجھ گیا کہ یہ کوئی نیک اور بزرگ آدمی ہیں۔

نورِ حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

ترجمہ: ولی کے اندر اُس کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ اگر تو اہلِ دل ہے تو دیکھ سکتا ہے۔

کسی نے اس کا ترجمہ کیا ہے ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

قاری صاحب نے فرمایا کہ آپ لائق اور غیر لائق سے بحث نہ کیجئے، جو نوکری بھی ہو کیسی ہی ذلیل ہو میں کرلوں گا، کیونکہ نوکری مقصود تھوڑا ہی تھی، جہاز میں سوار ہو کر مکہ پہنچنا مقصود تھا۔ کپتان نے کہا کہ آپ سے وہ نوکری نہ ہو سکے گی۔ کہا تم بتلاؤ تو ایسی وہ کیا نوکری ہے؟ کہا میرے پاس صرف بھنگی کی نوکری خالی ہے۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ مجھے منظور ہے۔ کپتان بڑا حیران ہوا کہ یہ فرشتہ صورت آدمی یہ کام کیسے کرے گا۔ اس نے قاری صاحب کو عاجز کرنے کے لئے کہا کہ اس کے ساتھ ایک کام مشقت کا بھی ہے تم سے نہ ہو سکے گا، اگر تم کو اسی پر اصرار ہے تو اچھا یہ بورا اٹھاؤ۔ وہاں دو اڑھائی من کا ایک بورا پڑا ہوا تھا۔ قاری صاحب اس کی طرف چلے اور بسم اللہ کہہ کر ہاتھ لگایا اور حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یہاں تک تو میرا کام تھا میں نے کر دیا، اب آپ کا کام ہے، میری امداد فرمایئے، اور دعا کر کے جو اٹھایا ہے تو سر سے اوپر لے گئے اور پھر رکھ دیا۔ کپتان نے کمر تھپکی اور کہا شاباش شاباش، اچھا ہم نے تم کو ملازم کرلیا۔ اس کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس دبلے پتلے کمزور آدمی نے اتنا بڑا بورا کیونکر اٹھالیا۔ یہ محض حق تعالیٰ کی امداد تھی ورنہ یہ بیچارے مجاہدے ریاضتیں کرنے والے اور مہینوں کا راستہ پیدل طے کئے ہوئے کب اتنا بوجھ اٹھا سکتے تھے۔ اس وقت اور بھی دو غریب آدمی جو حج کے متمنی تھے کھڑے تھے۔ انہوں نے بھی کپتان سے کہا کہ ہم کو بھی کوئی ملازمت جہاز کی دے دیجئے۔ اس نے کہا کہ یہی بھنگی کی ملازمت تم کو بھی مل سکتی ہے۔ وہ اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو قاری صاحب نے فرمایا کہ ارے اللہ تعالیٰ کے بندو حج سے کیوں محروم رہتے ہو، اگر تم کو اس کام سے عار آتی ہے تو تم یہ نوکری منظور کرلو، تمہارا کام بھی میں ہی کر دیا کروں

گا۔ چنانچہ کئی آدمیوں کا کام اپنے سر لے لیا اور اب یہ حالت ہوئی کہ روزانہ جہاز کے پاخانوں کو کماتے (صاف کرتے) اور دھوتے تھے۔ ہائے ؎

ایں چنیں شیخے گدائے کو بہ کو

عشق آمد لا ابالی فَاتَّقُوا

ترجمہ: ایسا شیخ اور گلی گلی کی گداگری! یہ ہے بے پروا عشق اب تو ڈرو۔

یہ عشق کی نیرنگیاں ہیں اس کا کچھ ضابطہ نہیں ہے۔ ؎

عشق را نازم کہ یوسف را بباز آورد

ھچو صنعا زاھدے را زیرِ زنّار آورد

ترجمہ: عشق پر ناز کرتا ہوں کہ یوسف کو بازار میں لاتا ہے۔ صنعاء کے زاہد کو زِنار (ہندو ہونے کی علامت کے لئے ایک دھاگہ باندھا جاتا ہے جسے زنار کہتے ہیں) کے نیچے لاتا ہے۔

بس اس کا ضابطہ تو رہ جاتا ہے کہ شرعی حدود پر رہے باقی سب رخصت اور اگر کوئی عاشق مجذوب ہو گیا تو اس کے لئے یہ ضابطہ بھی نہیں رہتا۔

قاری صاحب دن کو یہ کام کرتے۔ نمازوں کے وقت دوسرے کپڑے غسل کر کے پہن لیتے اور رات کو تہجد میں قرآن خوش الحانی سے پڑھتے۔ ایک دفعہ کپتان بھی رات کو قاری صاحب کے پاس سے گزرا۔ ان کا قرآن سن کر کھڑا ہو گیا اور سنتا رہا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ تم یہ کیا پڑھ رہے تھے؟ فرمایا کہ یہ ہمارے خدا کا کلام ہے۔ کپتان بولا کہ ہم کو بھی سکھلاؤ۔ ہم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اس کے پڑھنے کے لئے پاک ہونا شرط ہے۔ اس نے کہا ہم نہالیں گے۔ قاری صاحب نے فرمایا وہ پاکی نہانے سے نہیں ہوتی۔ اس کے لئے ایک کلمہ پڑھنا پڑتا ہے۔ اس سے پاکی ہوتی ہے۔ کہا ہاں ہم سب کچھ کریں گے۔

قاری صاحب نے اس کو غسل کرایا اور غسل کے بعد کلمہ پڑھایا پھر سورتیں چھوٹی چھوٹی

سکھلائیں۔ وہ کپتان ہر وقت کلمہ یا سورتیں پڑھتا پھرتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے جو اس کو کلمہ اور قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کہا یہ تم کیا پڑھتے ہو۔ کہا یہ خدا کا کلام ہے، ہم کو اچھا معلوم ہوا اس لئے پڑھتے ہیں۔ انگریزوں نے کہا تم تو اس سے مسلمان ہو گئے۔ کہا نہیں نہیں ہم مسلمان نہیں ہوا۔ انگریزوں نے کہا کہ اس کے پڑھنے سے تو آدمی مسلمان ہو جاتا ہے۔ کہا اچھا ہم اپنے بھنگی سے پوچھ کر آتے ہیں۔

وہ قاری صاحب کے پاس آیا اور کہا کیا ہم مسلمان ہو گیا ہے؟ فرمایا تم کو آج خبر ہوئی تم تو کئی دن ہوئے مسلمان ہو چکے۔ یہ سن کر اوّل تو اس کو تحیر سا ہوا۔ پھر قرآن کی نورانیت نے اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ کچھ پروا نہیں، اب بس ہم مسلمان ہی رہیں گے، مگر اس کلام کو نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ اس نے اپنی میم سے بھی کہہ دیا کہ ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں، اگر ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو اسلام قبول کرلو ورنہ ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ پھر جب جہاز جدّہ کے قریب پہنچا تو اس کپتان نے بھی اپنے عہدے سے استعفاء دے دیا اور قاری صاحب کے ساتھ جا کر حج کیا اور بڑا پکا مسلمان ہو گیا۔

یہ قصہ اس پر یاد آ گیا تھا کہ سیّاح کے پاس زادِ راہ (کھانے پینے کا سامان، راستے کا خرچ) نہیں ہوا کرتا۔ وہ تو مارا مارا پھرا کرتا ہے جیسے یہ قاری صاحب سیاح ہو کر حج کر آئے۔

عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کو جا رہا تھا، ایک نوجوان لڑکے کو دیکھا کہ بدون زاد و راحلہ (سواری) کے قافلہ کے ساتھ ہے۔ میں نے پوچھا صاحبزادے کہاں کا قصد ہے؟ کہا بیتِ حبیب کا۔ میں نے کہا اور تم نے زاد و راحلہ کچھ بھی ساتھ نہ لیا۔ تو فوراً جواب دیا ؎

وفدت علی الکریم بغیرِ زادٍ

من الحسنات والقلب السلیم

ترجمہ: میں کریم کے پاس بغیر زادِ راہ یعنی بغیر نیکیوں اور قلبِ سلیم کے حاضر ہوا ہوں۔

یہ معنی نہیں کہ اعمالِ حسنہ بھی ترک کر دیے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعمال کو ادا کر کے ان کو زاد

(باقی صفحہ ۵۸ پر)

ملفوظاتِ شیخ۔ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۱۷)

(ظہورالٰہی فاروقی صاحب)

نظری توحید اور عملی توحید:

فرمایا کہ ہم الفاظ اور جھوٹ بیچتے ہیں کیونکہ پیسے کی پہچان تو ہے پر اللہ کی پہچان نہیں ہے، سچ کی پہچان نہیں ہے۔ یہ یقین کہ پیسہ جیب میں آتا ہے تو اس سے ضرورتیں پوری ہوتیں ہیں اور زندگی بنتی ہے تیرے میرے قلب میں لا الٰہ اِلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھنے کے باجود پڑا ہوا ہے۔ یہی فساد ہے قلب کا۔اس لئے نظری توحید تو تیرے میرے پاس ہے لیکن عملی توحید نہیں ہے۔ عملی توحید انسان کے مختلف موقعوں پر عمل کے دوران استعمال کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔

جھوٹ سے زندگی بننے کا یقین تو قلب میں پڑا ہے جبکہ سچ سے زندگی کا بننا ایک نظری (Theoretical) بات ہے۔لوگ کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں اس کو، مولوی صاحب آپ جو کہتے ہیں، لیکن کیا کریں ہم ایسے ماحول میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ تو ہم مسلمانوں کا حال ہے کہ عملی توحید سے خالی ہیں۔آپ لوگ Subjective اور Objective کہا کرتے ہیں۔Subjective ان کے پاس ہے، Objective نہیں ہے۔ یہ نظری توحید ہے، عملی توحید نہیں ہے۔ وجہ کیا ہے کہ انسان نے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کو پہچانا نہیں ہے۔وما قدر اللّٰہ حق قدرہٖ کہ جیسے اللہ کی قدر پہچاننی چاہیۓ ایسی قدر نہیں پہچانی تو نے، اس لئے ۹۹ صفاتی ناموں کے ذریعے اور کئی قرآن پاک کی آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی پہچان کو بیان کیا گیا ہے۔مہم مسئلہ ہی اس بات کو سمجھنے کا ہے، اس کی سمجھ آجائے تو پھر انسان کے لئے عمل بہت ہی آسان ہوجاتا ہے۔قرآن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان پر بہت زور دیا گیا ہے۔ معرفت کے مضامین کو پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ مختلف پیرایوں، مختلف طریقوں، مختلف اسالیب اور Patterns کو اختیار کر کے اور مختلف

راستوں کو لے کر قرآن نے پہچان، معرفت اور توحید کے مضمون کو بیان کیا ہے۔

آج بھی امتِ مسلمہ اللہ کے حکم کو مضبوطی سے پکڑلے تو پھر اپنے عروج کو دیکھے کہ کیسے اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اھلِ کفر کے سامنے سُرخرو فرماتا ھے:

فرمایا کہ میرے ساتھ ایک ٹیکنیشن ہے، اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے مکان پر کتنے پیسے لگائے ہیں؟ بتایا کہ بارہ لاکھ روپے۔ اس زمانے میں سونا چار ہزار روپے تولہ تھا۔ اس نے پوچھا آپ کو کتنا کرایہ مل رہا ہے؟ میں نے کہا تین ہزار روپے۔ اس نے کہا: بارہ ضرب تین، سال کے چھتیس ہزار روپے۔ اس نے کہا کہ اگر یہ Fixed Deposit (فکسڈ ڈیپازٹ) پر ہوں تو اس پر ملتا ہے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے اور ہنسا بھی کہ صرف چھتیس ہزار روپے لے رہے ہو۔ اتفاقاً میں جس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس کرسی پر مجھ سے پہلے جو دو چیئر مین بیٹھے تھے وہ دونوں فکسڈ ڈیپازٹ والے تھے۔ ایک کا ڈاکٹر بنا ہوا بیٹا ایک سال بسترِ مرگ پر لیٹ کر مر گیا۔ کافی خرچہ بھی ہوا اور خاوند بیوی جو اس کے پاس بیٹھ کر چیخیں مار مار کر روتے رہے وہ خرچے کے علاوہ رہا۔ دوسرے کا جان لیوا حادثہ ہوا۔ تو میں نے کہا کہ فکسڈ ڈیپازٹ تو ہوتا ہے لیکن ان کارناموں کے ساتھ۔ اس فکسڈ ڈیپازٹ کی بات بتانے والے آدمی سے میں نے کہا کہ ایک دو ہفتے آپ آئیں تو سہی، ہم آپ کو دو اور دو چار کی طرح یورپ والوں کے غلط فلسفہ کو واضح کر کے دیں گے۔ یہ کہتے ہیں کہ Invest (سرمایہ کاری) کرو، اس پر سود لگے تو اس طرح پیسہ بڑھے گا۔ خاک بڑھے گا، مثلاً ۱۹۵۵ء میں گندم دس روپے من تھی۔ ۱۹۵۵ء میں دس روپے ایک سکول کے ٹیچر کے GP (جی پی) فنڈ میں رکھے گئے، ۳۵ سال اس نے نوکری کی، وہاں پڑے رہے اور ۳۵ سال میں دس روپے زیادہ سے زیادہ کتنے ہوئے ہوں گے، تین سو ہوگئے ہوں گے۔ منڈی میں قیمت معلوم کریں تو گندم کی قیمت ۳۷۰ روپے من ہے (۱۹۹۷ء کی قیمت) اب آپ بتائیں کہ وہ دس روپے حقیقت کے لحاظ سے بڑھے ہیں یا کم ہوئے ہیں؟ اللہ سود سے مال کو گھٹاتا ہے اور صدقات سے بڑھاتا ہے لیکن بات یقین

کی ہے۔اس لئے میرے بھائی آنکھیں بند کر اور مان اس چیز کو جس کو قرآن و حدیث میں اللہ نے بیان فرمادیا ہے۔وہ جس کو فائدہ کہتے ہیں اسی میں تیرا فائدہ ہے، وہ جس کو نقصان کہتے ہیں اسی میں تیرا نقصان ہے اور اسی چیز کو معرفت کہتے ہیں۔اس لئے عارفین ہزاروں روپے کا نقصان برداشت کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں لیکن اللہ کے حکم کو توڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔

ہمارے بزرگ بیان کرتے ہیں کہ باقی وزیر ایاز کی برائیاں بیان کرتے رہتے تھے کیونکہ ایاز، محمود غزنویؒ کو بہت پسند تھا۔محمود غزنویؒ بہت بڑے اللہ کے ولی گزرے ہیں۔صرف بادشاہ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے بہت بھاری ولی ہیں۔محمود غزنویؒ نے وزیروں کا امتحان لینے کیلئے ایک قیمتی ہیرا ایک وزیر کے آگے کیا کہ اس کو توڑو۔اس نے کہا: بادشاہ سلامت! اتنا قیمتی ہیرا توڑ دوں۔دوسرے کو، تیسرے کو، غرض کئی وزیروں کو توڑنے کا کہا لیکن کسی نے نہ توڑا۔ایاز کے سامنے جب آیا تو مارا اس کو ہتھوڑا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔وزیر بڑے خوش ہوئے کہ آج اس کی بے وقوفی کا اندازہ ہوگا بادشاہ کو اور اب پتہ چلے گا کہ کس کو وزیرِ خاص بنایا ہے۔بادشاہ نے پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ تو معرفت کے راز پانے والا آدمی حجتی نہیں ہوتا۔ہم اپنے قصور پر آگے سے حجتیں پیش کرتے رہتے ہیں۔حالانکہ اللہ کے دربار میں اعترافِ قصور کی قدر ہے۔اس نے کہا بادشاہ سلامت! غلطی ہوگئی، معاف فرمائیں۔بادشاہ نے پوچھا کہ آپ نے کس خیال سے ہیرے کو توڑا۔اس نے کہا کہ خیال یہ تھا کہ ہیرا تو بہت قیمتی ہے لیکن میرے دل میں آپ کے حکم کی قیمت اس ہیرے سے بھی زیادہ ہے اس لئے میں نے توڑ دیا۔اللہ کے تعلق والے بندے اللہ کے حکم پر جان دے دیتے ہیں کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ زندگی کا بننا ہی اللہ کے حکم کے ساتھ چمٹنے میں ہے۔آج بھی امتِ مسلمہ اللہ کے حکم کو مضبوطی سے پکڑ لے تو پھر اپنے عروج کو دیکھے کہ کیسے اہلِ کفر کے سامنے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو سُرخرو فرماتا ہے۔جس بات میں اہلِ کفر کامیابی سمجھتے ہیں ہم بھی اس میں کامیابی سمجھتے ہیں اور جن چیزوں کو وہ اختیار کر رہے ہیں ان کو ہم بھی اختیار کر رہے ہیں۔

اگر قلب میں اللہ کے حکم کی عظمت آجائے، قدر آجائے اور انسان سمجھ جائے کہ زندگی اگر بنتی ہے تو اس سے بنتی ہے اور اس یقین کے ساتھ آدمی عمل کرے تو پھر دیکھے کہ کیسے زندگی بنتی ہے اور کیسے اللہ کی غیبی مددیں آتی ہیں۔

سبق آموز:

فرمایا کہ خیبر میڈیکل کالج میں ایم بی بی ایس کا ایک طالب علم تھا، کسی وجہ سے دماغی یعنی Psychiatric مریض ہوگیا تھا۔ علاج معالجہ سے افاقہ ہوگیا تھا اس لئے پڑھائی جاری تھی۔ اسی دوران اس نے راہنمائی (Counselling) کے سلسلے میں بندہ کی مجالس میں آنا جانا شروع کیا۔ اس کی زندگی بھی بدلی اور بیماری سے بھی افاقہ ہوا۔ ڈاکٹر بننے کے بعد والدین نے شادی کرادی۔ کسی فوج کے ریٹائرڈ افسر کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ اس افسر کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ اس نے اپنی ساری جمع پونجی لگا کر اپنی بیٹی کو پرائیویٹ میڈیکل کالج سے ڈاکٹر بنایا۔ ڈاکٹری کے بعد بڑے ارمانوں سے خوب اخراجات کر کے اپنی بیٹی کی شادی کروائی۔

جب ازدواجی زندگی شروع ہوئی تو ساس صاحبہ نے ساسوں کے روایتی کرتب دکھانا شروع کردیئے۔ عموماً معاشرے میں یہ رواج ہے کہ لڑکی بیاہ کر نہیں لائی جاتی بلکہ نوکرانی خرید کر لائی جاتی ہے جیسے گویا لڑکی کے ماں باپ نے اپنی جیب سے خرچہ کر کے بیچا ہوتا ہے۔ ساس صاحبہ اور باتوں کے علاوہ اپنے چھوٹے بیٹے کو ساتھ ملا لیتی اور دونوں بہو کی پٹائی کا شوق بھی پورا کرتے تھے۔ بے غیرتی کی یہاں تک انتہا تھی کہ ساس اور سسر دونوں کا یہ جذبہ ہوتا ہے کہ کمائی کرنے والی عورت اپنی تنخواہ بھی ان کو دیا کرے، جس کے وہ خدا کے نزدیک مالک بھی نہیں ہیں اور ان پیسوں کو گھر میں خرچ کرنے کی لڑکی کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ بلکہ شادی کے وقت لالچی اور بے غیرت لڑکی سے جہیز مانگتے ہیں۔ بعض خدا ناترس کہتے ہیں کہ تُو جہیز تو لائی ہے لیکن ساس کے لئے پانچ تولے سونا نہیں لائی، تو والدین کے گھر سے ہو کر پہلی بار آئی ہے اور ہمارے سارے خاندان کے لئے کپڑے

نہیں لائی۔

لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کو کسی طرح پتہ چلا کہ اس کا خاوند کسی سلسلے میں بیعت ہے اور سلسلے والے دین داری کے سختی سے کاربند ہوتے ہیں۔ وہ اپنا دُکھڑا سنانے کے لئے آئی۔ بندہ نے حالات سنے اور خاوند کو بلا کر تفصیلی ترتیب سمجھائی لیکن وہ ایسا بے ہمت تھا کہ عمل نہ کر سکا جس کی وجہ سے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ لڑکی کی محکمۂ صحت میں مستقل ملازمت تھی، اس نے اپنی تبدیلی باہر کسی مقام پر کروادی۔ ایک بچے کی پیدائش بھی ہوئی تھی۔ وہاں اس نے اپنی والدہ صاحبہ کو بلا کر سرکاری گھر میں رہنا شروع کر دیا اور خاوند سے کہا کہ اگر آپ یہاں تشریف لاویں تو آپ کا گھر ہے اور میں آپ کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔ خاوند میرے پاس آیا اور کہا کہ میں تو جانا چاہتا ہوں لیکن والدہ صاحبہ نہیں چھوڑتی۔ کسی طرح والدہ صاحبہ کو پتہ چل گیا کہ میں مداخلت کر رہا ہوں۔ ان عورتوں کو فوراً یہ وہم ہو جاتا ہے کہ کہیں جادو کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے لڑکے کی والدہ صاحبہ بندہ سے ملنے کے لئے تشریف لے آئی اور بندہ سے کہا کہ ایسی بے تکی لڑکی ہے کہ علیٰحدہ ہو گئی ہے اور اپنی والدہ کو اپنے پاس بلا لیا ہے اور اب میرے بیٹے کو اپنے پاس بلانا چاہتی ہے تا کہ اس کو قتل کر دے۔ بندہ نے محترمہ سے کہا کہ لڑکی کی والدہ آئی ہوئی ہے تو آپ بھی لڑکے کی والدہ ہیں، ساتھ چلی جائیں اور سب اکٹھے رہیں، لیکن اس بات کو ماننا تو اس کے ساس ہونے کی انا کے خلاف تھا۔ اس نے نہ جانا تھا نہ گئی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

کچھ عرصہ بعد ایک دن بندہ دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آخری سال ایم بی بی ایس کی لڑکی میرے دفتر میں داخل ہوگئی اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئی، یہ اسی ڈاکٹر صاحب کی بہن تھی۔ اس کا جو حال بندے نے دیکھا تو اس کے بولنے سے پہلے قلب پر وارد ہوا کہ ڈاکٹر صاحب خودکشی کر چکا ہے لیکن کہنا مناسب نہ سمجھا، لڑکی کی بات کا انتظار کیا۔ آخر اس نے انتہائی حسرت سے یہ بات بتائی کہ اس کے بھائی نے خودکشی کر لی۔ بندہ نے آہ بھری اور خیال آیا کہ بیوی نے تو خاوند کو قتل نہ کیا لیکن اس

نگوڑی ساس نے آخر اپنے ساس پنے کی چڑیل کو تو مطمئن کر لیا لیکن بیٹے کو قبر تک پہنچا دیا۔

شریعت دو پہلوؤں پر ہے:

فرمایا کہ شریعت دو پہلوؤں پر ہے۔ ایک ظاہری پہلو ایک باطنی پہلو۔ جس طرح ظاہری شریعت پر عمل فرض ہے اسی طرح باطنی شریعت پر عمل بھی فرض ہے۔ جس طرح ظاہری شریعت کا سیکھنا سمجھنا جاننا فرض ہے اسی طرح باطنی شریعت کو سیکھنا جاننا حاصل کرنا بھی فرض ہے اور جس طرح ظاہری شریعت کے بارے میں احکامات لکھے گئے، فقہ کے علماء نے ان میں تحقیق کی، تشریح کی اور بیان کیا، انسان کی عبادات، معاملات اور معاشرت کو بیان کیا، اسی طرح باطنی فقہ کی بھی تشریح کی گئی، اس کو بیان کیا گیا، اس کے مسائل کو واضح کیا گیا اور اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا۔ فقہاء ظاہری شریعت کو بیان کرنے والے، تشریح کرنے والے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بتانے والے ہیں جبکہ صوفیاء کی جماعت باطنی شریعت کی تشریح کرنے والے، اس کے احکامات بتانے والے اور اس کو حاصل کر کے اس پر عمل کرنے کا طریقہ بتانے والے ہیں۔ جس طرح امت میں انحطاط آیا یعنی گراوٹ آتی گئی تو نوبت یہاں تک آئی کہ باطنی شریعت کا حاصل کرنا، سیکھنا، اس کی تشریح کو جاننا، ان سب کا تذکرہ ہی مٹ گیا، یہاں تک کہ بڑے بڑے دینی ادارے جو کہ دین کے لئے کوشش کرنے والے اور حفاظت کرنے والے ہیں ان میں بھی باطنی شریعت کو بیان کرنے اور حاصل کرنے کا بہت کم رواج رہ گیا۔

ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دیوبند کا مدرسہ جب قائم ہوا تو اس پر ایسا دور بھی گزرا ہے کہ اس کے شیخ الحدیث سے لے کر اس کے چپڑاسی اور باورچی تک سارے کے سارے لوگ باطنی لحاظ سے نورانیت والے، اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے اور روحانی لحاظ سے کامل لوگ ہوتے تھے، یعنی صاحبِ نسبت اولیاء ہوتے تھے۔ صاحبِ نسبت اس آدمی کو کہتے ہیں جس کا باطن گندگیوں اور برائیوں سے پاک ہو کر خوبیوں کے ساتھ متصف اور

آراستہ ہو جائے اور اس کا تعلق اللہ کے ساتھ جڑ جائے۔ لہٰذا جو آدمی داخل ہوتا تھا وہ جہاں ظاہری شریعت کو سیکھتا تھا وہاں باطنی شریعت سے بھی آراستہ ہو کر نکلتا تھا کیونکہ آدمی وہاں ظاہری و باطنی اعمال دیکھتا تھا تو اس کے عمل میں بھی وہ چیز آجاتی تھی۔ اور پھر یہاں تک کہ بعض فقراء سے ہم نے سنا کہ ایسا وقت آیا کہ بعض جگہوں پر جا کے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ الحدیث بھی دنیاداری ذہن والا ہوتا ہے یعنی سب سے آخری جگہ پہنچا ہوا آدمی کہ جس سے نمائندگی ہوتی تھی وہاں تک کا آدمی ظاہری اور دنیاداری کے ذہن والا ہے۔ پہلے دور کے لوگ قرآن مجید کے حافظ ہونے کے بعد، حدیث کا دورہ کرنے کے بعد، فقہ کے ماہر ہونے کے بعد پھر جاتے تھے کہ ہم اپنے باطن کو آراستہ کروائیں اور اپنی اصلاح کروائیں۔

انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا مقصد اس کی نجاتِ آخرت کیلئے تیاری ہے اور اس کے لئے کام کو ترتیب سے کرنا ہے:

فرمایا کہ انسان کو دنیا میں بھیجنے کا مقصد اس کی نجاتِ آخرت کیلئے تیاری ہے اور اس کے لئے کام کو ترتیب سے کرنا ہے۔ یہ عام طور پر علماء کتابوں میں بھی لکھتے ہیں اور علمی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ **الاھم فالاھم**۔ سب سے پہلے اہم چیز کو کیا جائے گا اس کے بعد جو اہم چیز ہے اس کو کیا جائے گا۔ اور **الاھم فالاھم** میں دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ یہ ایک منطقی ترتیب ہے کہ اس طرح اگر آپ کریں گے تو بات آسان ہو جائے گی، اس طرح نہ کریں تو مشکل ہو جائے گی۔ ترتیب پر آدمی کرے تو بات آسان ہو جاتی ہے۔ کسی کام کی ترتیب آدمی نے سیکھی ہو تو اس کیلئے آسان ہے، کسی کو ترتیب نہ آتی ہو تو زور لگائے گا، کوشش کرے گا لیکن کام نہیں ہو سکے گا۔ کسی آدمی کو گُر آتا ہو کسی کام کا وہ فوراً کر لے گا، جس کو گُر نہ آتا ہو، طریقہ کار نہ آتا ہو، اس کو بہت تکلیف ہوگی۔ اس لئے کسی مقصد کے حصول کیلئے جو بھی ترتیب ہو وہ ضروری بھی ہوتی ہے اور کامیاب بھی۔ اب اگر توحید نہ ہو تو نماز پڑھنے کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ نماز توحید کے بغیر قبول نہیں ہے۔ لہٰذا **الاھم** باتوں میں سب سے

پہلی بات توحید کو زندہ کرنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام آتے ہی دعوتِ توحید کو شروع کرتے ہیں۔ توحید کی دعوت زندہ نہ ہو تو باقی اعمال کی بنیاد ہی نہیں پڑ سکتی۔ جس آدمی کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعارف نہ ہو اللہ تعالیٰ کی پہچان نہ ہو، اس کی قدرت، کبریائی کی معلومات نہ ہو، اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا رعب اور دبدبہ قائم نہ ہو تو وہ احکامات پر کیسے آئے گا۔

آج کل کے حالات وہ سمجھے جس سے مشورہ لیا گیا ہو اور وہی سمجھے گا جو کہ کرتا ہے:

فرمایا کہ میں ایک دن کالج گیا تو ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ یہ چاروں طرف کیا ہو رہا اور کیوں ہو رہا ہے؟ میں نے بھی دل میں کہا: یا اللہ! کیا ہو رہا ہے، کیوں ہو رہا ہے، ہمیں کیا پتہ ہے، کوئی ہم سے مشورہ کرتا تو ہمیں پتہ ہوتا، یا وہ جو کام کر رہا ہے ہمیں کچھ بتایا ہوتا تو ہمیں پتہ ہوتا۔ میں نے کہا کہ نہ کرنے والے ہمیں بتاتے ہیں اور نہ ہم سے مشورہ کرتے ہیں تو ہمیں کیا معلومات ہیں ان کے بارے میں، جو ہوتا ہے سو ہوتا ہے۔

مزید میں نے ان سے کہا کہ ایک عامی آدمی کے تبصرے کے طور پر میں کہہ سکتا ہوں کہ جیسے ایک بہت مضبوط آدمی آ جائے اور کہہ دے کہ ایک تو ہے اور ایک تیرا بھائی ہے، اس کو بھی قتل کرتا ہوں اور تجھے بھی قتل کرتا ہوں، لیکن اگر تو اس کے قتل کرنے میں میرا ساتھ دیتا ہے تو تجھے چھوڑتا ہوں، تو وہ بات ہوئی ہوئی ہے۔ کافر نے مسلمان کو ڈنڈا دکھایا ہوا ہے، ایک کو کہتا ہے کہ دوسرے کے قتل میں میرا ساتھ دو گے تو تب تجھے چھوڑوں گا۔

آج کل کے حالات کو وہ سمجھے جس سے مشورہ لیا گیا ہو، اور وہی سمجھے گا جو کہ کرتا ہے۔

ہم لوگ اللہ کو تو مانتے ہیں... پر اللہ کی نہیں مانتے:

فرمایا کہ لوگ اللہ کو تو مانتے ہیں۔ مانتے تو امریکہ والے بھی ہیں۔ ڈالر کے اوپر کیا لکھا ہوا ہے؟ In God We Trust یعنی ہم اللہ پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں کیونکہ کمیونزم

کا نظام جو کہ اللہ کو نہیں مانتا اس کے مقابلے میں انھیں ایک Slogan چاہئے، ایک نعرہ چاہئے۔ کمیونزم کے اللہ کی ذات کے انکار والے نظام کے مقابلے میں ایک نعرہ چاہئے تھا اور نعرہ ایسا ہو کہ جو ہر وقت ہر ایک آدمی کے ہاتھ میں ہو اور دنیا میں پھیلا ہوا ہو اور دہریوں کو ہر وقت چبھ رہا ہو، Pinch کر رہا ہو، اذیت دے رہا ہو، Irritate کر رہا ہو اور وہ نوٹ کی شکل میں انہوں نے کرلیا کہ In God We Trust۔ تو اللہ کو مانتے ہیں، پر اللہ کی نہیں مانتے ہیں۔ اللہ کی کیوں نہیں مانتے ہیں؟ اس لئے کہ اللہ کو پہچانتے نہیں ہیں۔

ہمارے ایک بزرگ مثال دے رہے تھے کہ جیسے بوڑھے دادا جان ہوں جو کسی کام کے نہیں رہے، ان کو محلّہ میں اگر کوئی بے عزت کر دے تو ساری برادری، بیٹے، پوتے سب آستینیں چڑھا کر آجاتے ہیں لڑنے کیلئے۔ لیکن اگر یہی دادا جان ان بچوں کو کوئی کام کرنے کا کہیں تو کوئی نہیں مانتا، کہتے ہیں سٹھیائے ہوئے بوڑھے ہیں۔ ہمارے ڈاکٹر صاحبان کہا کرتے ہیں Senile Dementia پرانے محاورے میں کہا جاتا تھا سٹھیایا ہوا یعنی Dementia کا مریض ہے، اس کو پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ کیا ہے کیا نہیں ہے، کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا ہے، مانتا اس کی کوئی نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے کفار کے بارے میں:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. (عنکبوت: ۶۱)

ترجمہ: اور اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ (بھلا) وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے۔ (معارف القرآن)

ایک اور آیت میں ہے کہ:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَا لظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى

الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ط وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ (لقمان: ۳۲)

اور جب ان لوگوں کو موجیں سائبانوں (یعنی بادلوں) کی طرح (محیط ہوکر) گھیر لیتی ہیں تو وہ خالص اعتقاد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے لگتے ہیں، پھر جب ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے سو بعضے ان میں اعتدال پر رہتے ہیں (یعنی کجیٔ شرک کو چھوڑ کر توحید کو جو کہ اعدل الطرق ہے اختیار کر لیتے ہیں) اور (بعضے پھر ہماری آیتوں کے منکر ہو جاتے ہیں اور) ہماری آیتوں کے بس وہی لوگ منکر ہوتے ہیں جو بدعہد اور ناشکرے ہیں (کہ کشتی میں جو عہد توحید کا کیا تھا اس کو توڑ دیا اور خشکی پر آنے کا مقتضی تھا شکر کرنا اس کو چھوڑ دیا)۔ (معارف القرآن)

نجاتِ آخرت کے لئے بنیادی بات توحید کی ھے:

فرمایا کہ نجاتِ آخرت کیلئے بنیادی بات توحید ہے۔ سرسری توحید جس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگتا وہ تو امت کے پاس ہے۔ وہ کامل توحید جس کے نتیجے میں آدمی شریعت پر ہر قسم کے خطرات، مفادات اور نفسانی مزوں کو قربان کرنے کے لئے کمر باندھتا ہے وہ تو امت کے پاس ہے نہیں لہٰذا اس ناقص توحید کے ساتھ امت قتال کیسے کر سکے گی اور اسلامی نظامِ حکومت کیسے قائم کر سکے گی۔ توحید کے بعد نماز ہے۔ اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ اتنا آسان عمل، اس کے لئے آدمی تیار نہ ہو تو قتال اور قیامِ حکومت کیسے کرے گی۔ توحید اور نماز تو لازم و ملزوم ہیں کہ ان کے بغیر اسلام کا تصور ہی نہیں ہے۔

قبیلہ بنو ثقیف کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا انہوں نے کہا یارسول اللہ! ہم اسلام قبول کرتے ہیں لیکن ہم جہاد نہیں کریں گے، فرمایا ٹھیک ہے۔ پھر ان کو اور ہمت ہوئی اور کہا یارسول اللہ! ہم اسلام قبول کریں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اس کو بھی قبول کر لیا، پھر وہ اور آگے بڑھے اور کہا کہ یارسول اللہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں لیکن ہم نماز نہیں پڑھیں گے۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہیں ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ

سمجھوتہ (Compromise) نہیں کیا۔ شیخ سعدیؒ نے لکھا ہوا ہے کہ جو آدمی نماز نہیں پڑھتا اس کو اگر آپ نے قرض دیا اور اس نے واپس نہیں کیا تو اس میں اس کا قصور نہیں ہے بلکہ آپ کا قصور ہے کیونکہ جو آدمی اللہ کا حق ادا نہیں کرتا تو اس نے اگر آپ کا حق مار لیا تو کیا ہوا۔ سبحان اللہ!

ہماری پچھلی حکومت تھی مولوی صاحبان کی تو اس میں انہوں نے ایک آدمی کو بہت بڑی پوسٹ دی۔ ان کے ایک وزیر سے اچانک میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے کہا اللہ کے بندے پوسٹ پر آدمی کو لاتے ہوئے اتنا تو خیال کیا کرو کہ آدمی نماز تو پڑھتا ہو جب کہ اسلامی نظام کیلئے یہ لازمی بات ہے کہ جو آدمی مسجد میں آکر جماعت کی نماز نہ پڑھتا ہو اس کو کوئی پوسٹ نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ تو مسلمانوں کی فہرست میں ہی نہیں ہے۔ فتویٰ جدا بات ہے، فتویٰ اس پر کفر کا نہیں لگ سکتا لیکن عملی لحاظ سے مسلمانوں کی فہرست میں نہیں ہے کیونکہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز پر سمجھوتا نہیں ہوگا کیونکہ جس دین میں کوئی سجدہ نہیں ہے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ چلیں نماز ہم پڑھیں گے۔ پھر انھوں نے کہا یارسول اللہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں لیکن ہم بتوں کو نہیں توڑیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بُت تو آپ کو توڑنے پڑیں گے۔ انھوں نے کہا اچھا اگر بتوں کو توڑنا ہے تو آپ کے آدمی آکر توڑیں، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ بتوں کو توڑ کر کہیں ہم غرق نہ ہو جائیں، تباہ نہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو طائف کے بتوں کو توڑنے کیلئے بھیجا۔ صحابہ کرامؓ بتوں کو توڑ رہے تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ شاید یہ اب غرق ہو جائیں۔ انھوں نے بُت توڑے، سارے پتھر زمین پر گرے، طائف والوں نے دیکھا کہ کچھ بھی نہیں ہوا تب ان کا ایمان پکا ہوا۔ تو میرے بھائی! سب سے پہلی بات توحید اور نماز کا زندہ کرنا ہے جو کم از کم نجاتِ آخرت کے لئے ضروری بات ہے۔

اللّٰہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو فھم و فراست عطا فرمائی ھوئی ھوتی ھے:

فرمایا کہ سچ بات یہ ہے کہ ساری دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے اور مسلمان عمل والا نہ ہو اور دوزخ کو جارہا ہو تو کیا فائدہ ہوا۔ ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے اور میں عمل نہیں کررہا ہوں تو مجھے کیا فائدہ ہوا۔ نائجیریا میں کچھ عیسائی مسلمان ہوئے تھے، کچھ دن اسلام پر رہے پھر ان کا دل نہیں لگا۔ انھوں نے کہا ہمیں مزہ نہیں آیا، ہم چھوڑ رہے ہیں۔ وہاں کے تبلیغ والے حضرات نے بڑا سمجھایا، آخر میں ایک بات ان سے کہی کہ آپ تھوڑے دن صبر کریں، ہندوستان سے ہمارے بزرگ آرہے ان سے ملاقات کریں، پھر آپ جو فیصلہ کرتے ہیں کرلیں۔ اس وقت ہمارے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے، وہ تشریف لے گئے۔ ان لوگوں کی ملاقات کروائی گئی۔ ان سے انھوں نے کہا جی ہم نے تو اسلام قبول کیا تھا لیکن مسلمانوں کو دیکھ کر ہماری تسلی نہیں ہوئی لہٰذا ہم واپس ہو رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو فہم وفراست عطا فرمائی ہوئی ہوتی ہے۔ حضرت جیؒ نے فرمایا کہ اگر چاروں طرف اسلام پھیل جائے، ساری دنیا میں اسلام ہی اسلام ہو جائے، آپ کو پھر بھی تسلی نہیں ہوگی۔ ایک طریقہ سے تسلی آپ کو ہوسکتی ہے وہ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ کسی میں بھی اسلام نہ ہو، مسلمانوں میں بھی نہ ہو لیکن آپ اس کو سیکھ لیں، اس پر عمل کرلیں، جب آپ خود عمل والے ہوگئے تو آپ کو تسلی ہو جائے گی۔ کوئی کرتا ہے، نہیں کرتا ہے، آپ شروع کردیں۔ وہ آدمی سمجھدار تھے، کہنے لگے بس ہم آپ کی بات سمجھ گئے۔

ہم ایک دفعہ جماعت میں گئے ہوئے تھے پاڑہ چنار کے علاقے میں۔ وہاں میں نے بیان کیا، بیان کرنے کے بعد کہا کہ نام لکھواؤ، تو ایک نوجوان کھڑا ہوا، کوئی اکیس بائیس سال اس کی عمر تھی، خوب جلا ہوا تھا، اس نے کہا نام کس لئے لکھوائیں؟ یہاں لوگ ایک دو لاکھ روپے لے کر لڑکی کا رشتہ دیتے ہیں، یہ تمہارے تبلیغ والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ برخوردار! یہ

اچھی بات نہیں ہے کہ پیسے لے کر رشتہ دیتے ہیں پر ہم کیا کہیں اس کے بارے میں، لیکن آخر کوئی تو شروع کرے نا اس بات کو، تم نام لکھواؤ، تم دین کو سیکھو تو پھر تم یہ کام نہ کرنا۔ وہ مجھے دیکھتا رہا، پھر کہا کہ لکھو جی دس دن میرے۔ ساری دنیا میں دین پھیل جائے اور مجھے حاصل نہ ہوا تو فائدہ کیا ہوا۔

استاد کی سوچ استاد کی سوچ ہوتی ہے:

فرمایا کہ ہمارے ایک ساتھی نے لطیفہ سنایا کہ کسی دارالعلوم میں کوئی طالبِ علم پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے علم مکمل کیا۔ دستار بندی کے وقت شاگرد نے پوچھا کہ اللہ ایک ہے کہ دو ہیں؟ نعوذ باللہ من ذالک. استاذ صاحب نے کہا کہ اپنے علاقے میں چلے جانا، جب بھادوں کا مہینہ آئے، اس میں جو کسان ہل چلا رہا ہو، اس سے اِس کا جواب پوچھنا۔ طالب علم آیا اپنے علاقے میں، بھادوں کے مہینے میں کسان ہل چلا رہا تھا، ساون کے بعد بھادوں کا مہینہ آتا ہے، اس میں جب کسان ہل چلاتا ہے تو اتنی گرمی ہوتی ہے اور اتنی حبس ہوتی ہے کہ اس کا سر چکرایا ہوا ہوتا ہے، اس سے کوئی بات کرے تو وہ کھا جانے کو تیار ہوتا ہے، اس طالبِ علم نے کہا کہ جی ایک سوال پوچھنا ہے! کسان نے جواب دیا کہ ہم کام کر رہے ہیں، ہمارے کام میں خلل نہ ڈالیں، پر اس نے اسرار کیا کہ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیسے ثابت کیا جائے کہ اللہ ایک ہے کہ دو ہیں؟ کسان ہل چلاتے چلاتے سخت تنگ ہو چکا تھا۔ اس نے بیلوں کو ہانکنے والی لاٹھی لی اور اس طالبِ علم کو دو چار لگائیں اور آبپاشی کے پانی والی نالی میں گرایا، پھر اوپر سے دو چار اور برسائیں۔ طالبِ علم نے کہا بس بس سمجھ آ گئی۔ کسان نے کہا نہیں، ابھی نہیں سمجھے ہو۔ اس نے کہا نہیں جی بالکل سمجھ گیا ہوں۔

استاذ صاحب نے سوچا میں تو بوڑھا آدمی ہوں جبکہ اس کو سمجھانے کے لئے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو اس کسان کی طرح ہمت کر سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اس غصے کا مظاہرہ بھادوں کے ہل کا ستایا ہوا کسان ہی کر سکتا تھا۔ کسان نے پھر پوچھا کہ تمہیں بتایا کس نے ہے کہ دو خدا بھی ہوتے ہیں؟ ذرا ٹھہرو تمہیں اور سمجھاتا ہوں۔ اس بات میں بھی کوئی پوچھا کرتا ہے؟ اس میں بھی بھلا کوئی

دوسری بات ہے! سبحان اللہ۔یعنی کچھ بھی نہیں پڑھا ہوا لیکن ایک راز کی بات کو جانے ہوئے ہے۔ بس طالبِ علم کی عقل کو ٹھکانے لگا دیا اور اس کے دماغ سے منطق، فلسفہ کا سارا بھوسہ نکال دیا۔

بیعت کی برکت کے اثرات:

فرمایا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ دنیائے اسلام کی بہت بڑی شخصیت گزرے ہیں۔ان کی تفسیرِ کبیر نے فلسفہ والوں کو شکست دی اور ان کے زور وشور اور دبدبے کو توڑا۔ دنیائے اسلام کے بہت بڑے آدمی ہیں۔ان سارے علوم کے باوجود کہتے ہیں جب میں بیعت ہوا اور ذکر اذکار بتلائے گئے تو کچھ دنوں کے بعد میں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ ایک تو میں جب ذکر اذکار کرتا ہوں تو مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے میری کھوپڑی کے اوپر سے دھواں نکل رہا ہے، اور ایک یہ کہ فلسفے کا جو علم میں نے پڑھا تھا وہ میں بھولنا شروع ہو گیا ہوں۔ان کے شیخ نے فرمایا کہ وہ دھواں دراصل فلسفہ ہی کی تاریکی ہے جو کہ نکل رہی ہے۔ کچھ دن وہ رہے، ان کو اندازہ ہوا کہ فلسفہ تو بہت بھول رہا ہوں تو وہ قربانی نہ دے سکے۔یعنی فلسفہ کے علم کی قربانی نہ کر سکے اور تربیت ادھوری چھوڑ کر چلے گئے۔جس وقت اللہ کے وجود پر اور توحید پر سو دلائل دے کر تقریر کرتے تھے تو لوگ لا جواب ہو جاتے تھے۔ جب موت کا وقت ہوا تو شیطان نے مناظرہ شروع کیا اور ایک ایک کر کے سو کی سو دلیلیں توڑ دیں۔اس نے کہا کہ اب بتاؤ اللہ کو کیسے مانتے ہو؟ اب کوئی دلیل ہی نہیں، کوئی جواب ہی نہیں بچا۔جن بزرگوں کے ساتھ بیعت کا تعلق تھا ان پر اللہ نے اس بات کو کھولا اور انھوں نے ان کے حال پر Signal کیا یعنی پیغام القاء کیا کہ تم اس سے یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ میں بغیر دلیل کے اللہ کو مانتا ہوں! آخری بات جو ان کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی کہ میں بغیر دلیل کے اللہ کو مانتا ہوں اور میں بغداد کی بوڑھیوں کے ایمان پر مر رہا ہوں۔ بوڑھی عورتوں کا کیا ایمان ہے؟ بس لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ اتنی بات کا پتہ ہے اور کسی چیز کا پتہ ہی نہیں ہے۔

(جاری ہے)

اللہ کی محبت

(ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج، کوہاٹ)

بقول مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ؎

اے ھمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

اے خوشا چشمے کہ آں گِریانِ اوست

ترجمہ: کیا ہی خوش بخت ہے وہ دل جو اللہ کے عشق میں جل بھُن رہا ہے۔ کیا ہی اچھی ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کی یاد میں رو رہی ہیں۔

ہم نے دنیا کی محبت دل میں بسائی ہے، ہمیں کیا معلوم ہے کہ اللہ کی معرفت کیا ہوتی ہے اور اللہ کی محبت کیا ہوتی ہے۔ ہم نے محبتِ فانی کا مزا چکھا ہوتا ہے، ہمیں کیا خبر اللہ کی محبت کا لازوال چسکا کیا ہوتا ہے۔ اسی دنیاوی محبت کا یہ اثر ہے کہ ہمارے اعضاء و جوارح سے دنیا ہی چھلکتی اور پھوٹتی ہے۔ اسی محبت کا نتیجہ ہماری نماز میں بھی نظر آتا ہے کہ نماز جو اللہ سے ملاقات کا ذریعہ ہے دنیا جہاں کی سوچوں میں پھنسی ہوتی ہے، شروع سے لے کر آخر تک دنیا اور دنیا کی چیزوں کے متعلق ہی سوچتے رہتے ہیں۔ دنیا ہم سے چھوٹتی ہے تو دل تڑپ جاتا ہے لیکن اگر اللہ کا حکم ٹوٹتا ہے تو غم ہی محسوس نہیں ہوتا۔ دین پر عمل دشوار ہے جب کہ دنیا کے سخت سے سخت کام آسان ہیں۔ وجہ اپنے دل کا دنیا سے بھرا ہوا ہونا ہے۔ چونکہ ہمارا ایمان موروثی (ورثہ میں ملا ہوا) ہے اور اس پر محنت مجاہدہ اب تک کیا نہیں اس لئے اس میں ترقی نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک بیان میں سورۃ الفتح کی ایک آیت کی تفسیر یوں بیان فرما رہے تھے۔ آیت ہے:

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْٓا اِیْمَاناً مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ط

وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْماً حَکِیْماً (سورۃ الفتح:۴)

کہ وہ اللہ ایسا ہے جس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکینہ (تحمل) پیدا کی ہے تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو اور آسمان و زمین کا سب لشکر اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ مصلحتوں کا بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ یعنی ایمان والوں کے دل میں سکون نازل کرنے والا اللہ ہے۔ ''انزل'' بتا رہا ہے کہ اللہ کی واحد ذات ہے جس کے قبضہ میں سکون ہے۔ پھر فرمایا کہ سکینہ کے حصول کا مقصد کیا ہے؟ اللہ ایمان والوں کے دل پر سکینہ کیوں نازل کرتا ہے؟ تا کہ ان کا وہ ایمان جو موروثی، استدلالی اور عقلی ہے وہ ایمان بدل جائے ایمانِ حالی، وجدانی اور ذوقی سے۔ یہ تفسیرِ بیان القرآن ہے۔ ذوقی کسے کہتے ہیں؟ جس کا ذائقہ خود چکھ لیتا ہے۔ ایمان کا ذائقہ اس کو محسوس ہوتا ہے۔ وجدانی وجدان سے ہے جس کے معنی ہیں پا جانا، یعنی وہ اللہ کو پا جاتا ہے، اور حالی یعنی فی الحال ہر حالت سے اللہ کے وجود کا نشان ملے گا۔ اللہ صرف زبان پر نہ ہو، اللہ پر ایمان اس کا حال بن جائے، دل میں اللہ کی محبت حل ہو جائے، ہر حالت میں وہ اللہ کے وجود کا نشان پائے یہاں تک کہ وہ خود اللہ کی نشانی بن جاتا ہے، اس کو دیکھ کر اللہ یاد آ جاتا ہے۔

(ارشادات دردِ دل ص ۵۳۔۵۵)

بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تمام امت اس امر پر متفق ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت فرض ہے۔ (احیاء العلوم جلد چہارم ص ۴۳۷)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (سورۃ البقرۃ ۱۵۶)

اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

بہت سی روایات میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبتِ الٰہی کو ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابورزین عقیلیؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟ فرمایا:

’’یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بندہ کے نزدیک ان کے دونوں کے سوا سے محبوب تر ہوں۔‘‘

(احیاء العلوم جلد چہارم ص ۴۲۷)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک اللہ اور اس کا رسول

اس کے نزدیک غیر سے محبوب تر نہ ہوں۔ (بخاری، مسلم)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری (بکری نہ ہونا) کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی محبت کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد مبارک ہے:

’’اللہ سے محبت کرو اس نعمت کے لئے جو وہ تمہیں ہر صبح عطا کرتا ہے اور مجھ سے محبت کرو، اللہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔‘‘ (ترمذی۔ ابنِ عباسؓ)

انسان اگر اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کے مفہوم کو پالے تو دین کے ہر کام میں بدرجہ اولیٰ محنت کرے گا۔ یہ چنگاری اگر جل جائے تو ساری ظلمتوں کو خاکستر کردے گی۔ بقول خواجہ مجذوبؒ:

محبت ہے محبت پھونک ڈالے گی دو عالم کو (جلا ڈالے گی)

یہ چنگاری سی جو دل میں دبی معلوم ہوتی ہے

جب مسلمان کے دل میں یہ چنگاری جلنا شروع ہوتی ہے تو اس کے آثار اردگرد کے ماحول کو بھی متاثر کرنا شروع کردیتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سمنون محبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ یہ کچھ محبت کا بیان کررہے تھے کہ ایک چڑیا ان کے قریب آبیٹھی اور

تھوڑی دیر کے بعد ان کی گود میں آ بیٹھی اور تڑپنے لگی اور مرگئی۔ دیکھئے محبت کا کس درجہ اثر ہے جس نے جانوروں میں آگ لگا دی۔ جو لوگ محبت سے محروم ہیں وہ کیسے ہی متقی ہوں ان کا تقویٰ ذرا سی بات میں ٹوٹ جاتا ہے بخلاف اہلِ محبت حضرات کے۔ ان کا تقویٰ بہت مستحکم ہوتا ہے کیونکہ محبت کے اثر سے اعمال ان کی عادت بن جاتے ہیں، پھر عادت سے طبیعتِ ثانیہ اور روح بن جاتے ہیں اور جن میں یہ نہیں وہ جہاں رہ گئے وہاں رہ گئے۔ محبت کے ساتھ خدا کا رستہ بہت قریب ہے بلا اس کے بہت بعید ہے۔ اس واسطے عراقی کہتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزاور بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسمِ پارسائی

ترجمہ: اے محبوب مجھے قلندر والا راستہ یعنی محبت والا راستہ بتلا

دے کیونکہ خالی پارسائی والا راستہ بہت دور دراز کا رستہ ہے۔

بلا محبت کے بڑے بڑے مجاہدوں سے بھی کبھی تو ایک ضعیف سا اثر ہو جاتا ہے جیسا کہ ادنیٰ درجہ کی محبت والے کو بلا مجاہدہ کے ہوتا ہے اور کبھی اتنا بھی نہیں ہوتا بلکہ ساری عمر اعمالِ ناقص ہی ادا ہوتے ہیں۔ اس کی نسبت کہا گیا ہے ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ززمین ندا برآمد

کہ مُرا خراب کر دی تو بسجدۂ ریائی

ترجمہ: جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ آواز آئی کہ تو نے ریا کا سجدہ کر کے مجھ کو بھی خراب کیا۔

بہ طوافِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند

تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

ترجمہ: خانہ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو مجھے حرم کا رستہ نہ دیا گیا اور کہا کہ تو نے حرم کے باہر کیا کیا

جو حرم میں داخل ہونا چاہتا ہے۔

یہ تو اعمال کی حالت ہے اور احوال کی حالت یہ ہے کہ جن کو محبت نہیں وہ بہت جلد گھبرا اٹھتے ہیں، ذرا سی ابتلا (آزمائش) ہوئی اور قدم اُکھڑ گئے، اور محبت والے کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

نشود نصیبِ دشمن که شود هلاكِ تیغت

سرِ دوستاں سلامت که تو خنجر آزمائی

ترجمہ: دشمن کو نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ اس پر خنجر آزمائی کریں۔

کسی کو تکلیف ہوتی ہوگی ان کو تو مصیبت میں بھی لطف آتا ہے۔ یہ محبت ہی کے آثار ہیں۔ اگر تم میں محبت نہ ہو تو اس کا انکار تو مت کرو۔ اہلِ محبت کے آثار کو دیکھ کر ماننا پڑے گا کہ محبتِ الٰہی کا وجود ہے۔ بندگانِ خدا محبت والے موجود ہیں۔ اگر ان میں محبت نہیں تو دوسرے ان کی صحبت سے کیونکر اہلِ محبت ہو جاتے ہیں۔ یہ طاقت محبت ہی میں ہے کہ آس پاس تک کو لپیٹ لیتی ہے۔ محبت آگ ہے۔ آگ کے اندر جو کوئی جاتا ہے وہ تو جلتا ہی ہے اور جو کوئی آگ کے اردگرد ہوتا ہے گرم وہ بھی ہو جاتا ہے۔ دیوانہ بنیں گے طعن سنیں گے، مصیبتیں جھیلیں گے مگر محبت وہ چیز ہے کہ کسی کا اثر نہ ہوگا۔ اور یہی کہیں گے ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانه ایم

مست آں ساقی و آں پیمانه ایم

ترجمہ: اگر ہم مفلس، قلاش اور دیوانے ہیں تو کیا پرواہ ہے، یہی دولت کیا کم ہے کہ محبوبِ حقیقی کی محبت سے مست ہیں۔ غرض اللہ کی محبت کا وجود قلب میں ہے اور ضرور ہے اور اللہ کی محبت تو بندہ کی غذا ہے خواہ محبت کو مصدر معروف کہو یا مجہول کہو کوئی صورت بھی، اللہ کی محبت بندہ کی حیاتِ روحانی کے لئے شرط ہے، جیسے غذا حیاتِ بدنی کے لئے شرط ہے، بے غذا کے زندگی نہیں رہ سکتی۔

جب محبت بندہ کی غذا ٹھہری تو اس کی ضد یعنی بغض تو بڑی چیز ہے، عدمِ محبت بھی مرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسے مرنے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھا لیا جاوے بلکہ غذا کا بند کر دینا کافی ہے تو جس چیز کے لئے یہ کہا جائے کہ یہ محبت کی ضد یعنی بغض پیدا کرنے والی ہے وہ تو سب سے بدتر چیز ہوگی۔ وہ چیز کبر ہے۔ یہ حق تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے۔

(خطباتِ حکیم الامت، حقیقتِ تصوف وتقویٰ ص ۳۳۹ تا ۳۴۶)

حضرت امام غزالیؒ نے محبت کی تعریف لکھی ہے کہ محبت یہ ہے کہ طبیعت اس چیز کی طرف مائل ہو جس سے اسے لذت ملتی ہے۔ اگر یہ میلان شدید اور پختہ ہو جاتا ہے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ اسی طرح بغض یہ ہے کہ طبیعت اس چیز سے متنفر ہو جس سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اور جب یہ نفرت شدید ہو جاتی ہے تو اسے مَقت کہتے ہیں۔ (احیاء العلوم جلد چہارم ص ۴۳۰)

حضرت تھانویؒ نے اپنے ملفوظات میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرتؒ اکثر ایک جملہ کہا کرتے تھے کہ:

''ہم سے تو دھوبی کا بیٹا ہی خوش نصیب نکلا۔ ہم سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا۔''

پھر غش کھا جاتے۔ ایک دن ان کے مریدوں نے پوچھ لیا کہ حضرت یہ دھوبی کے بیٹے والا کیا ماجرا ہے؟ آپؒ نے فرمایا کہ ایک دھوبی کے پاس محل سے کپڑے دھلنے آیا کرتے تھے اور وہ میاں بیوی کپڑے دھو کر استری کر کے واپس محل پہنچا دیا کرتے تھے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا جو جوان ہوا تو کپڑے دھونے میں والدین کا ہاتھ بٹانے لگا۔ کپڑوں میں شہزادی کے کپڑے بھی تھے جن کو دھوتے دھوتے وہ شہزادی کے نادیدہ عشق میں مبتلا ہو گیا۔ محبت کے اس جذبے کے جاگ جانے کے بعد اس کے اطوار تبدیل ہو گئے۔ وہ شہزادی کے کپڑے الگ کرتا، انہیں خوب اچھی طرح دھوتا، انہیں استری کرنے کے بعد ایک خاص نرالے انداز میں تہہ کر کے رکھتا۔ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر والدہ نے اس تبدیلی کو نوٹ کیا اور دھوبی کے کان میں کھسر پھسر کی کہ یہ تو لگتا ہے سارے خاندان کو

مروائے گا، یہ تو شہزادی کے عشق میں مبتلا ہو گیا ہے۔ والد نے بیٹے کے کپڑے دھونے پر پابندی لگا دی۔ ادھر لڑکا جب تک محبت کے زیرِ اثر محبوب کی کوئی خدمت بجالاتا تھا محبت کا بخار نکلتا رہتا تھا، مگر جب وہ اس خدمت سے ہٹا دیا گیا تو بیمار پڑ گیا اور چند دن کے بعد فوت ہو گیا۔

ادھر کپڑوں کی دھلائی اور تہہ بندی کا انداز بدلا تو شہزادی نے دھوبن کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا کہ میرے کپڑے کون دھوتا ہے؟ دھوبن نے جواب دیا کہ شہزادی عالیہ میں دھوتی ہوں۔ شہزادی نے پوچھا پہلے کون دھوتا تھا؟ دھوبن نے کہا کہ میں ہی دھوتی تھی۔ شہزادی نے کہا کہ یہ کپڑا تہہ کرو۔ اب دھوبن سے ویسے ہوتا نہیں تھا۔ شہزادی نے اسے ڈانٹا کہ تم جھوٹ بولتی ہو، سچ سچ بتاؤ ورنہ سزا ملے گی۔ دھوبن کے آگے کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں تھا، کچھ دل بھی غم سے بھرا ہوا تھا، وہ زارو قطار رونے لگی اور سارا ماجرا شہزادی سے کہہ دیا۔ شہزادی یہ سب کچھ سن کر سناٹے میں آ گئی۔ پھر اس نے سواری تیار کرنے کا حکم دیا اور شاہی بگی میں سوار ہو کر پھولوں کا ٹوکرا بھر کر لائی اور مقتولِ محبت کی قبر پر سارے پھول چڑھا دئے۔ زندگی بھر اس کا یہ عمل رہا کہ وہ اس دھوبی کے بچے کی برسی پر اس کی قبر پر پھول چڑھانے ضرور آتی۔ یہ بات سنانے کے بعد حضرت کہتے:

''اگر ایک انسان سے بن دیکھے محبت ہو سکتی ہے تو بھلا اللہ سے بن دیکھے محبت کیوں نہیں ہو سکتی؟ ایک انسان سے محبت اگر انسان کے مزاج میں تبدیلی لا سکتی ہے اور وہ اپنی پوری صلاحیت اور محبت اس کے کپڑے دھونے میں بروئے کار لا سکتا ہے تو کیا ہم لوگ اللہ سے اپنی محبت کو اس کی نماز پڑھنے میں اس طرح دل و جان سے نہیں استعمال کر سکتے؟ مگر ہم بوجھ اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر شہزادی محبت سے تہہ شدہ کپڑوں کے انداز کو پہچان سکتی ہے تو کیا ربِ کریم بھی محبت سے پڑھی گئی نماز اور پیچھا چھڑانے والی نماز کو سمجھنے سے عاجز ہے؟''

پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے:

''وہ دھوبی کا بچہ اس وجہ سے کامیاب ہے کہ اس کی محبت کو قبول کر لیا گیا جبکہ ہمارے

انجام کا کوئی پتا نہیں کہ قبول ہوگی یا منہ پر ماردی جائے گی۔ اللہ جس طرح ایمان اور نماز روزے کا مطالبہ کرتا ہے اسی طرح محبت کا تقاضا بھی کرتا ہے۔ یہ کوئی مستحب نہیں فرض ہے! مگر ہم غافل ہیں۔''

پھر فرماتے:

''اللہ کی قسم اگر یہ نمازیں نہ ہوتیں تو اللہ سے محبت کرنے والوں کے دل اسی طرح پھٹ جاتے جس طرح دھوبی کے بچے کا دل پھٹ گیا تھا۔ یہ ساری ساری رات کی نماز ایسے ہی نہیں پڑھی جاتی۔ کوئی جذبہ کھڑا رکھتا ہے۔''

فرماتے: ''یہ نسخہ اللہ پاک نے اپنے نبی ﷺ کے دل کی حالت دیکھ کر بتایا تھا کہ آپ نماز پڑھا کیجئے اور رات بھر یا کچھ کم ہماری باتیں دُہراتے رہا کیجئے آرام ملتا رہے گا۔ اسی وجہ سے نماز کے وقت آپ ﷺ فرماتے تھے: ارحنا بھا یا بلال (اے بلال! ہمارے سینے میں ٹھنڈک ڈال دے اذان دے کر)

بعض آسمانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اے میرے بندے! مجھے تیرے حق کی قسم ہے میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور تجھے میرے حق کی قسم تو بھی مجھ سے محبت کر۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذرہ بھر محبت ستر برس کی اس عبادت سے بہتر ہے جو محبت سے خالی ہو۔ یہ بھی فرماتے کہ اے اللہ میں تیرے صحن میں مقیم اور تیری ثناء میں مشغول ہوں۔ تو نے مجھے کم عمری ہی سے اپنی طرف کھینچ رکھا ہے اور اپنی معرفت کا لباس پہنا رکھا ہے اور اپنے لطف سے نواز رکھا ہے اور مجھے احوال، اعمال، ستر، توبہ، زہد، رضا اور محبت میں بدلتا رہتا ہے۔ تو مجھے اپنے حوضوں سے سیراب کرتا ہے، اپنے باغوں میں گھماتا ہے۔ میں تیرے حکم کا پابند ہوں۔ اب جب میری مونچھیں نکل آئی ہیں اور کچھ قدرت حاصل ہوگئی ہے تو آج بڑا ہو کر تجھ سے کیسے منحرف ہو جاؤں جبکہ تو بچپن ہی سے مجھے اپنا مانوس بنائے ہوئے ہے اور اب میں ان امور کا عادی ہو گیا ہوں۔ جب تک زندہ رہوں گا

تیرے ہی گرد منڈلاؤں گا اور تیرے ہی سامنے آہ وزاری کروں گا۔ کیوں کہ میں محبّ ہوں اور ہر محبّ کو اپنے حبیب سے شغف ہوتا ہے اور غیر سے نفرت۔ (احیاء العلوم جلد چہارم ص ۴۲۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر یہ وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد! جو لوگ مجھ سے اعراض (منہ موڑتے) کرتے ہیں اور میری اطاعت سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ مجھے ان کا کس قدر انتظار ہے اور میں ان سے کتنی نرمی اور مہربانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں اور مجھے کس قدر شوق ہے کہ وہ گناہوں سے بچے رہیں، اگر انہیں یہ تمام باتیں معلوم ہو جائیں تو وہ مجھ سے ملنے کے اشتیاق میں اس قدر بے چین ہوں کہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور میری محبت کی تپش سے ان کے اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ اے داؤد! اعراض کرنے والوں کے لئے میرا ارادہ یہ ہے۔ اس سے اندازہ لگا لو کہ میری طرف لو لگانے والوں کے لئے میرا ارادہ کیا ہوگا۔ اے داؤد! جب بندہ مجھ سے مستغنی (بے پرواہ) ہوتا ہے تو وہ رحم و کرم کا زیادہ محتاج ہوتا ہے اور جب وہ میری طرف سے اعراض کرتا ہے تو مجھے اس پر زیادہ رحم آتا ہے اور جب وہ میری طرف لوٹتا ہے تو مجھے بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ (احیاء العلوم جلد چہارم ص ۴۷۲)

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں ارشاد ہے

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (سورۃ البقرہ ۱۶۵)

یعنی جو لوگ ایمان لائے ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ کی محبت ہے پس جب آپ عاشق ٹھہرے تو عاشق کے لئے بڑی غیرت کی بات ہے کہ محبوب کو چھوڑ کر غیر پر نظر ڈالے۔ مولاناؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک عورت چلی جارہی تھی، اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک مرد آرہا ہے، پوچھا کہ میرے پیچھے کیوں آرہا ہے، اس نے کہا کہ میں تیرا عاشق ہوں۔ اس عورت نے کہا کہ میرے پیچھے میری بہن آرہی ہے وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ وہ شخص لوٹ گیا۔ اس عورت نے بڑھ کر ایک دھول (تھپڑ) رسید کی اور کہا:

گفت اے ابلہ اگر تو عاشقی

دربیان دعویٰ خود صادقی

پس چرا برغیر افگندی نظر

ایں بود دعویٰ عشق اے بے ہنر

دیکھئے ایک ادنیٰ عورت نے جب شرکت پسند نہیں کی تو احکم الحاکمین کہ جس کو بے انتہا غیرت ہے اس کو کب پسند ہوگا کہ ہمارے چاہنے والے غیر پر نظر ڈالیں۔ غرض عشق تو سوائے محبوب کے کسی شے کو نہیں چھوڑتا۔

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت

ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

ترجمہ: عشق وہ شعلہ ہے کہ جب جل اٹھتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ کی حکایت ہے کہ جب سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی تو گھر میں ایک بچہ چھوڑ گئے تھے۔ جب وہ بچہ جوان ہوا تو اس نے اپنے باپ کا پوچھا۔ کہا گیا وہ تو درویش ہوگئے، مکہ معظمہ میں ہیں، یہ لڑکا مکہ معظمہ حج کو پہنچا۔ مطاف میں دونوں باپ بیٹے کا اتفاقاً اجتماع بلا تعارف ہوگیا اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی نظر اس پر پڑی، محبت کا جوش ہوا، کئی بار اس کو دیکھا۔ مریدوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ ایک امرد (جس کی ڈاڑھی نہ آئی ہو) حسین کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے کہ یہ لڑکا بادشاہ کا لڑکا، ناز ونعمت کا پلا ہوا، نہایت حسین وجمیل تھا اور وہ زمانہ یہ زمانہ تو تھا نہیں کہ جتنا زیادہ کوئی امرد پرست ہوا تنا ہی زیادہ بزرگ ہو۔ اس زمانہ میں شریعت کے احکام کا غلبہ تھا۔ مریدوں کو گمان ہوا کہ بے شک شیخ کو لغزش ہوئی ہے، بعد طواف کے ہم متنبہ کریں گے۔ وہ لڑکا حضرت ابراہیمؒ کی جستجو میں آیا تھا۔ بعد طواف کے ہر ایک سے حضرت ابراہیم کا پتہ پوچھتا تھا۔ لوگوں نے بتایا، خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں اور میرا نام محمود ہے۔

حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا کہ تم نے کچھ پڑھا بھی ہے، عرض کیا کہ قرآن مجید اور علم دین پڑھا ہے۔ پھر پوچھا کہ صوم وصلوٰۃ اور احکامِ شرعیہ کے پابند ہو۔ معلوم ہوا کہ پابند ہیں۔ دیکھئے اللہ کے بندوں کی ایسی محبت ہوتی ہے اس لئے پوچھا کہ اگر معلوم ہوگا کہ جاہل اور خدا ورسول ﷺ کی مرضی کے خلاف ہے تو میرے کس کام کا ہے۔ جب اس کا ہر طرح سے کامل ہونا معلوم ہوا تو اور زیادہ محبت کا جوش ہوا اور سینے سے لگایا۔ فوراً الہام ہوا کہ اے ابراہیم! ہمارے ہوتے ہوئے غیر پر نظر!

حبِ حق ہو دل میں یا حبِ پسر
جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

دعا کی کہ اے اللہ یہ لڑکا میرے اور تیرے درمیان حجاب ہے اس حجاب کو اُٹھا لے۔ فوراً اس کو گردے کا درد ہوا اور جاں بحق ہوا۔ لیکن اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے ایک دفعہ سینے سے لگا لینے سے سلطان محمود کے اندر نسبتِ قوی پیدا ہوگئی تھی۔ مکہ کے باہر ان کا مزار اب تک موجود ہے۔ اہلِ بصیرت ان کی نسبت کی قوت کا احساس کرتے ہیں۔ لیکن اس قصے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اولاد کے ساتھ محبت حرام ہے۔ بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا معاملہ ہر بندہ کے ساتھ جدا ہے۔ بعضوں کے ساتھ وہ غیر کے ساتھ ادنیٰ درجے کی محبت کا بھی بلاضرورت ادائے حقوق پسند نہیں فرماتے اس لئے ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ ہونا ہے ورنہ اولاد کے ساتھ محبت رکھنا اسی طرح ازواج کے ساتھ، اسی طرح دوسرے تعلقات والوں کے ساتھ مشروع ہے بشرطیکہ غلو نہ ہو۔ افسوس ایسی ذات کے ساتھ تو محبت نہ کریں کہ جو خود تم کو طلب کرے اور جس کی محبت میں ہر طرح کا چین، لطف اور سکون حاصل ہو اور ایسوں کے اوپر مریں کہ جن کی محبت مالیخولیا (Melancholy) اور جنون (Insanity)، اضطراب (Anxiety)، بیقراری (Restlessness)، بے چینی (Depression) ہو اور اکثر تمہاری طرف التفات (دیکھنا) بھی نہ کریں۔

(خطباتِ حکیم الامت، حقیقتِ تصوف وتقویٰ ص ۵۱۶)

اتحاد و اتفاق کے حصول میں مسکنت اور عاجزی کا کردار

(انتخاب وترتیب: قاضی محمد طلال ایڈووکیٹ)

(گھر بار ہو یا دفتری تعلقات، بے سکونی کی ایک وجہ اتفاق کا نہ ہونا ہے جسکے اسباب میں سے ایک عاجزی کا فقدان ہے۔ حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ "فوائد الصحبۃ" اور "الوقت" سے اسی مناسبت سے اقتباسات [Excerpts] پیش ہیں۔ جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں عربی عبارت کا ترجمہ، اعلام کی تاریخیں اور الفاظ کے معانی قلابین (بریکٹ) میں جوڑے گئے)

۱۔ حضور ﷺ جو کہ دو جہان کے بادشاہ ہیں فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اَحیِنِی مِسکِینًا وَّ اَمِتنِی مِسکِینًا وَّاحشُرنِی فِی زُمرَۃِ المَسَاکِین. (اے اللہ مجھے جیتا رکھ تو مسکین خاکسار جیتا رکھ، اور اٹھا تو مسکین اٹھا اور جب میرا حشر ہو تو مسکینوں کی جماعت میں ہو) دیکھئے یہ نہیں فرمایا کہ مساکین کا حشر میرے ساتھ ہو بلکہ یہ فرمایا کہ میرا حشر مساکین کے ساتھ ہو۔ یعنی وہ لوگ تو اپنی جگہ رہیں، میں ان کے ساتھ ہو جاؤں، جہاں مسکین ہوں وہیں میں ہوں۔ ورنہ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جہاں میں ہوں وہاں یہ آجاویں۔

اور یہاں سے اندازہ ہوگا کہ مسکنت کیا چیز ہے۔ صاحبو! وہ اتنی بڑی چیز ہے کہ ایسے بڑے سخت مرض کا علاج بھی ہے کہ وہ تمام مفاسد کی جڑ ہے اس سے تمدن اور دین دونوں بگڑتے ہیں اور وہ مرض کبرونَخوَت ہے کہ جتنی متعدی خرابیاں ہوئی ہیں لڑائی، غیبت، حسد یہ سب تکبر کی بدولت ہوئی ہیں۔

اتفاقِ عالَم کی جڑ تواضع ھے

ہمارے مرشد حاجی صاحبؒ (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، م ۱۳۱۷ھ) نے ایک مرتبہ ایک ایسی عجیب اور گہری بات فرمائی کہ جو آج تک کسی ریفارمر کی زبان

پر نہیں آئی۔ فرمانے لگے کہ لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی جڑ کی خبر نہیں ہے۔ اتفاق کی جڑ ہے تواضع۔ ہر شخص اپنے اندر تواضع پیدا کرے کیونکہ نااتفاقی ہمیشہ کبر سے ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص اپنے کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا تو بہت سی باتوں میں اپنے حقوق کی اضاعت (ضائع ہونا، مصدر اضاع سے) سمجھے گا، ہر بات میں اپنے کو دوسرے پر بڑھانا چاہے گا اور اس سے نااتفاقی پیدا ہوگی اور جب ہر شخص میں تواضع ہوگی تو ہر شخص اپنے اوپر دوسرے کے حقوق سمجھے گا اور ان میں اپنے کو قاصر پاوے گا تو سب کے سب ایک دوسرے کے سامنے لچیں گے (عاجزی و فروتنی سے پیش آئیں گے) اور یہی اتفاق ہے۔

ہمارے عقلاء اتفاق کی کوشش کر رہے ہیں مگر ساتھ ساتھ کبر و نَخوَت کا بھی اہتمام کر کے اسی کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ بعینہٖ وہی حالت ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ و بن می برید
خداوندِ بستاں نگہ کرد و دید

(ایک آدمی ٹہنی پر ہے اور جڑ کاٹ رہا ہے، مالکِ باغ نے نظر کی اور دیکھا)

تو ہم شاخِ اتفاق پر بیٹھے ہیں لیکن کبر کے قریب سے اس کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ آج خودداری اور تکبر کی تعلیم کی جاتی ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے اولوالعزمی۔

اولوالعزمی کا مفہوم

صاحبو! اولوالعزمی یہ ہے کہ سلطنت پر لات ماردی اور حالت یہ ہو کہ لنگکے زیر و لنگکے بالا۔ (ایک لنگی باندھے ہوئے اور ایک لنگی اوڑھے ہوئے) اولوالعزمی کا حاصل یہ ہے ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولاد ھندی نھی بر سرش
امید و ھراسش بنا شد ز کس — ھمیں است بنیادِ توحید و بس

موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیریں یا اس کے سر پر تلوار رکھیں، امید و خوف

اس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے۔

اور وہ حالت ہو ؎

آں کس کہ ترا شناخت، جاں راچہ کند

فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

(جس شخص کو آپ کی معرفت حاصل ہوگئی، اس کو جان اور فرزند و اسباب کی پرواہ نہیں)

حضرت خالد بن ولیدؓ اور ان کے همراهیوں کی اولوالعزمی

صاحبو! اولوالعزمی وہ ہے جو صحابہؓ نے کر کے دکھلا دی کہ ماہان ارمنی (جنگ یرموک میں رومی بادشاہ ہرقل کا ایک سپہ سالار، یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے۔ ارمنی نسبت آرمینہ کو ہے) کے دربار میں جب حضرت خالدؓ (م ۲۱ھ بمطابق ۶۴۲ء) سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر تشریف لے گئے تھے۔ ماہان ارمنی حریر کا فرش بچھایا ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو اٹھا دیا۔ ماہان کہنے لگا کہ اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت کے لیے یہ فرش بچھا دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فرش تیرے فرش سے بہت اچھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ حضرت خالدؓ صرف سو آدمیوں کے ساتھ ہیں اور ماہان ارمنی نے کہا کہ اے خالدؓ میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بھائی بنالوں خالدؓ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں)۔

ماہان ارمنی نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا تو اس حالت میں ہم نے حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا تجھ کو کیا بھائی بناتے۔ پھر حضرت خالدؓ نے فرمایا اے ماہان تو مسلمان ہوجا ورنہ وہ دن قریب نظر آرہا ہے کہ تو حضرت عمرؓ کے سامنے اس طرح حاضر کیا جاوے گا کہ تیرے گلے میں رسی ہوگی اور تجھ کو ایک شخص گھسیٹتا ہوگا۔ اس پر ماہان ارمنی آگ بگولہ ہوگیا۔ غضب ناک ہوکر کہا کہ پکڑو ان لوگوں کو، حضرت خالد بن ولیدؓ فوراً اٹھ کھڑے ہوگئے اور ہمراہیوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار اب ایک دوسرے کو مت دیکھنا اب حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی اور فوراً میان سے

تلوار کھینچ لی۔ یہ ہیبت دیکھ کر ماہان مرعوب ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا۔ جب حضرت خالدؓ درست ہو کر بیٹھے۔ یہ ہے اولوالعزمی نہ کہ غایت کبر ونخوت و تَنَفُّرٌ عَنِ الْمَسَاکِیْن (مساکین سے نفرت) نیز جس کا نام آج اولوالعزمی رکھا گیا ہے وہ وہ ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط (القصص:۸۳)

(نہیں ارادہ کرتے ہیں بڑائی کا زمین میں اور نہ فساد کا)۔

تو اولوالعزمی صحابہؓ نے کر کے دکھلائی ہے اور وہ توحید سے ہوتی ہے۔ آج کل تکبر کا نام اولوالعزمی رکھا گیا ہے اور اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

صاحبو! کیسے افسوس کی بات ہے کہ آج بچوں کو وہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ان میں بچپن ہی سے اینٹھ مروڑ (اکڑ، تکبر) پیدا ہو جاوے۔

بچوں کی غلط تربیت

مجھ سے ایک رئیس نے پوچھا کہ اگر بچہ نوکر کی خطا کرے تو کیا کرنا چاہئے۔ یعنی اس حرکت پر اس کو کسی قسم کی تنبیہ کرنی چاہئے یا نہیں۔ میں نے کہا اس بچہ کو کہنا چاہئے کہ اس نوکر سے عذر کرے (یعنی معافی مانگے)۔ کہنے لگے کہ یہ تو بڑی ذلت کی بات ہے اس سے اولوالعزمی میں ضعف ہوتا ہے۔ پھر جب میں نے اسے اولوالعزمی کی حقیقت سمجھائی کہ یہ بدخلقی اور تکبر ہے تب ان کی سمجھ میں آ گیا۔ صاحبو! واللہ لوگوں کو پرورش اور تربیت نہیں آتی۔ تربیت یہ تھی کہ جو پہلے اتالیق کرتے تھے۔ ایک شہزادہ کی حکایت ہے کہ وہ ایک معلم کے پاس پڑھتا تھا۔ ایک روز بادشاہ جو مکتب میں گئے تو دیکھا کہ نہ شہزادہ ہے اور نہ معلم ہے دوسرے لڑکوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ معلم صاحب گھوڑے پر سوار ہو کر گئے ہیں اور شہزادہ ان کے پیچھے ساتھ گیا ہے۔ بادشاہ کو حرکت ناگوار ہوئی اور جس طرف ان کا جانا سنا تھا خود بھی اسی طرف کو چلا۔ آخر ایک جگہ ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے دیکھا کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں اور شہزادہ گھوڑے کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ بادشاہ نے معلم

سے پوچھا کہ آخراس کا کیا سبب ہے کہنے لگے کہ جناب آپ کو معلوم ہے کہ یہ شہزادہ ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا تو یہ تختِ سلطنت پر بھی مُتمکِن ہوگا اس وقت ایسے بھی مواقع ہوں گے کہ یہ سواری پر ہو اور اس کے ساتھ اس کے حشم خدم بھی ہوں۔ پس میں اسی وقت سے اس گھوڑے کے ساتھ بھگا کر بتلا رہا ہوں کہ خدام کو پیادہ دوڑانے میں ایسی تکلیف ہوا کرتی ہے تا کہ یہ اپنی تکلیف کو یاد کر کے اپنے حشم خدم پر رحم کرے اور وسعت (طاقت) سے زیادہ تکلیف ان کو نہ دے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ جزاک اللہ (اللہ تعالیٰ تجھ کو جزا دے) تم نے بہت بڑی اصلاح کی۔ تو یہ ہے تربیت کا طریق۔

تکبر کا علاج

اب تکبر کا ایسا چرچا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ کی پناہ اور یہی ہماری تباہی کا سبب ہے اور اس کا علاج ہے مَسکنت۔ جو بات دس برس کے مجاہدہ میں بہ دِقت (بمشکل) حاصل ہو سکتی ہے وہ مَسکنت سے ایک دن میں حاصل ہو جاتی ہے اور یہ مَسکنت کی وہ مَنفعت (فائدہ) ہے جو میری سمجھ میں آئی ورنہ اصل یہ ہے کہ مَسکنت فی ذاتہا (اپنی ذات میں) بھی محبوب عنداللہ (اللہ کا پسندیدہ) ہے۔

ے پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہوئے

(یعنی جو عورت خاوند کو پسند ہو حقیقی دلہن وہی ہوتی ہے)

صحبت نیک کی فضیلت

شاید اس تقریر سے کسی کے دل میں یہ بات پیدا ہو کہ ہم بھی گھر لُٹا دیں گے اور مساکین میں داخل ہو جاویں گے۔ صاحبو! ہرگز ایسا مناسب نہیں۔ مساکین میں داخل ہونے کا یہ طریق کہ اَلمَرءُ مَعَ مَن اَحَبَّ (صحیح البخاری ۸:۴۸) (آدمی اس شخص کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے)۔

تم ان سے محبت رکھو ان شاء اللہ انہیں کے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ اس لیے فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ قَرِّبِی المَسَاکِینَ وَ جَالِسِیھِم (البدایۃ والنہایۃ ۶: ۵۹ بلفظ

آخر) (اے عائشہ! نزدیک ہوتُو، مساکین کے اوران کے پاس بیٹھ) لفظ قَـرِّبِـی (نزدیک ہوتُو) میں توان کوآنے دینے کے لیے فرمایا اور جَـالِسِیھِم (بیٹھ توان کے پاس) میں اس سے بڑھ کر یہ بتلا دیا کہ اگر وہ خود نہ آویں تو جا کر بیٹھو۔

(وعظ: فوائد الصحبۃ ص۴۰ تا ۴۵ ناشر: جامعہ اشرف المدارس کراچی)

۲۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) فرماتے تھے کہ آج کل کے لیڈر جو اتفاق اتفاق پکارتے ہیں انہیں اس کی جڑ معلوم نہیں۔ اس کی جڑ ہے تواضع اور تواضع کاغذ پر نام کے ساتھ حقیر، ذلیل، نیاز مند، خاکسار کے لکھنے سے نہیں ہوتی۔

(وعظ: الوقت ص ۲۶، ناشر: جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ لاہور)

(صفحہ ۲۷ سے آگے)

نہ سمجھے۔ ان پر اعتماد نہ کرے ؎

فان الزاد اقبح کل شی

اذا کان الوفود علٰی الکریم

ترجمہ: اس لئے کہ زادراہ سب سے بری چیز ہے جب کہ ملنے والا گروہ کریم کے پاس پہنچے۔

میں اس جواب سے سمجھا کہ معمولی شخص نہیں بلکہ عاشق ہے۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اس لڑکے کو منیٰ میں دیکھا جب کہ سب لوگ قربانیاں کر رہے تھے۔ اس نے حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کیا، بارِ الٰہا! سب لوگ آپ کی جناب میں نذر پیش کر رہے ہیں اور میرے پاس بجز اپنی جان کے کچھ نہیں ہے۔ اگر یہ قبول ہو جائے تو حاضر ہے۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں نے ہاتف (غیبی فرشتہ) کی آواز سنی کہ وہ کہہ رہا ہے کہ اس قربانی کی بدولت سب کی قربانیاں اس سال قبول ہو گئیں اور اس کے حج کی بدولت سب کا حج قبول ہو گیا۔

پیش لفظ Muhammad; The Ideal Prophet ﷺ

(ترجمہ: عمر فاروق صاحب)

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے بیانات میں اکثر ''خطباتِ مدراس'' کے متعلق کافی تعریفیں سنتے ہیں حتیٰ کہ سی ایس ایس اور پی ایم ایس امتحان دینے والے ساتھیوں سے اس کتاب کو اردو، انگریزی دونوں میں زبانی یاد کرواتے ہیں کہ یہ دلچسپ کتاب ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ اور اردو ادب میں یکتا ہے۔ اس شاہکار کتاب کو پڑھنے کے بعد کافر کا دل بھی محمد ﷺ کی حقانیت کی گواہی دیتا ہے۔ ڈیڑھ سو صفحات کی اس مختصر کتاب کو شائع ہوئے ۹۰ سال بیت گئے مگر تا حال اس کا کوئی جواب نہیں۔ چونکہ یہ کتاب اردو نثر میں بھی ایک شاہکار (Masterpiece) کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کے کچھ اقتباسات لازمی طور پر میٹرک اور انٹر کی اردو میں بطورِ نصاب Course میں شامل رہے ہیں تاہم حیران کن طور پر ۲۰۱۳ء میں ان کو نصاب سے خارج کر دیا گیا اور تا حال خارج ہیں، لیکن نہ تو اس کی وجوہات بیان کی گئیں اور نہ ہی اس پہ کوئی ردِ عمل آیا۔ شاید حکومت نے سود پر قرض دینے والی قوتوں کے ناجائز دباؤ کے آگے گھٹنے ٹیک دیے جس کی وجہ سے نئی نسل اس عظیم دولت سے محروم ہو گئی۔ اردو میں ''خطباتِ مدراس'' آسانی سے دستیاب ہے لیکن اس کا انگریزی ترجمہ Muhammad; The Ideal Prophet گذشتہ کئی سالوں سے ملک بھر میں ناپید تھی۔ الحمد للہ! دعوۃ اکیڈمی کو اس کے پھر سے شائع کرنے کی توفیق ہوئی۔ سلسلے کے ساتھی قاضی طلال صاحب کے ذریعے ہمیں کافی تعداد میں اس کے نسخے بھی حاصل ہوئے ہیں۔ زیرِ نظر تحریر اس کے پیش لفظ کے طور پر ہے جس کا ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے۔ قوسین میں درج وضاحت مترجم کی طرف سے ہے۔ از مترجم)

. . . .

پروفیسر ڈاکٹر ڈی ایس مارگولیتھ (انگریز مستشرق ہے جو آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر رہا ہے اور برطانیہ کی وزارت نو آبادیات میں بھی کام کرتا رہا ہے۔ اس کی اکثر کتابیں تاج برطانیہ کے دشمنوں کے خلاف نفسیاتی جنگ سے متعلق ہیں) اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے بارے میں انتہائی مخالفانہ درجے کا ناقد اور نکتہ چین واقع ہوا ہے۔ اس کے باوجود اس نے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے

کہ: ”پیغمبرِ اسلام کے سوانح نگاروں کا سلسلہ لامتناہی ہے اور اس سلسلے میں اپنے نام کا شامل ہونا بذاتِ خود ایک اعزاز ہے۔“

حضرت محمد ﷺ کی حیات، کردار اور پیغام سے متعلق تمام تر ممکنہ تفصیلات کی حفاظت ہمیشہ سے اہلِ علم اور محققین کی بنیادی ترجیحات میں شامل رہی ہے۔ سیرتِ نبوی ﷺ اور سنتِ نبوی ﷺ کی بے مثال انداز سے حفاظت اسلامی علوم کے خزانے کا سب سے بیش بہا اور قیمتی ہیرا ہے۔ اہلِ اسلام نے تمام تر ممکنہ طریقوں سے اس سرمایے کی حفاظت کی ہے۔ جرمن ڈاکٹر لوئس سپرنگر (جس نے کتاب ”لائف آف محمد“ (ﷺ) لکھی ہے اور مخالفانہ لکھی ہے، اس کے باوجود اس) کے اعداد وشمار کے مطابق تقریباً پانچ لاکھ انسانوں (یعنی صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین) کے کردار اور زندگیوں کی تفصیلات محض اس وجہ سے جمع کی گئیں تاکہ ان روایات کی جانچ پڑتال کی جائے جو اِن افراد نے محمد ﷺ کے بارے میں بیان کی ہیں۔

محمد ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی احادیث کی تحریر اور تدوین شروع ہوگئی تھی۔ اس کے بعد سے آج تک حضرت محمد ﷺ کے بارے تقریباً تمام زبانوں میں لاتعداد تحاریر شائع ہوچکی ہیں اور اب بھی شعبۂ سیرت کے مبارک سلسلہ میں مزید کام جاری ہے۔ سیرت پر مبنی یہ لٹریچر ہمیں اس ذات مقدس ﷺ کی حیاتِ مبارکہ، شخصیت، کردار اور تعلیمات کی تصویری جھلک مہیا کرتا ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کی محبت، عقیدت اور تعظیم کا مرکز ومحور ہے۔ محمد ﷺ کی سوانح اور حیات کے مختلف پہلوؤں پر بے شمار کتب موجود ہیں اور اس میں نئے مواد اور توضیحات کا اضافہ وقتاً فوقتاً ہورہا ہے۔

لیکن بعض مرتبہ ایسی عہد ساز اور تاریخی تحریر وجود میں آجاتی ہے جو بعد میں آنے والے اہلِ علم، اہلِ دانش، تاریخ دانوں اور مفکرین کے لیے علم وآگاہی کے نئے دریچے کھول کے رکھ دیتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی یہ کتاب (خطباتِ مدراس) بلاشبہ سیرت کے میدان میں ایک ایسا ہی عہد ساز مقام رکھتی ہے۔ یہ کتاب بہت منفرد اور اچھوتے انداز میں جدید دنیا سے پیغمبرِ اسلام

ﷺ کا تعارف کراتی ہے۔ مصنف نے اس انتہائی لاجواب طور سے حیاتِ طیبہ کی اثر آفرینی کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے جو شعبۂ سیرت کی تاریخ میں یکتا اور اپنی مثال آپ ہے۔

یہ کتاب آٹھ خطبات پر مشتمل ہے جو علامہ نے اکتوبر ۱۹۲۵ء میں جنوبی ہند کے شہر مدراس میں دیئے۔ انہیں پیغمبر اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر لیکچر دینے کے لیے مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سدرن انڈیا نے مدعو کیا تھا۔ بعد میں ''خطباتِ مدراس'' کے نام سے کتابی شکل میں ان تقاریر کا مجموعہ شائع ہوا۔ علاوہ ازیں اس تنظیم نے بعد میں کئی دیگر عالمی سطح کے مسلم دانشوروں کو بھی لیکچر کے لیے مدراس بلایا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے ''تجدیدِ فکریاتِ اسلام'' اور محمد مارماڈیوک پکھتال نے ''اسلام کا ثقافتی رُخ'' کے موضوع پر یہاں مدراس میں اسی تنظیم کی دعوت پر لیکچر دیے۔

سیرت پر مبنی ان خطبات میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ثبوتوں اور دلائل کے ساتھ یہ واضح کیا کہ انسان کو اپنی زندگی منظّم و کامیاب بنانے کے لیے عملی نمونۂ حیات کی پیروی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی صورت میں موجود ہے۔ فاضل مصنف نے انسان کی راہنمائی کا دعویٰ کرنے والے مقامی اور عارضی کرداروں پر بھی بحث کی، پھر ان کا موازنہ آفاقی اور دائمی شخصیات سے کیا۔ صرف اسی نمونۂ حیات کو دائمی اور آفاقی کہا جا سکتا ہے جس میں یہ چار بنیادی شرائط پائی جائیں: تاریخیت، کاملیت، جامعیت، عملیت۔

فاضل مصنف نے یہ بھی ثابت کیا کہ... صرف... صرف... اور صرف... محمد ﷺ کی پاکیزہ زندگی ہی ان چار معیارات پر پورا اترتی ہے۔ انسانیت کی کامیابی اور نجات صرف اس مبارک اسوہ پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ دعوۃ اکیڈمی اس امید کے ساتھ اس کتاب (محمد: دی آئیڈیل پرافٹ ﷺ) کو شائع کر رہی ہے کہ یہ اندرون و بیرونِ ملک قارئین کے ایک وسیع حلقے کو اپنی جانب متوجہ کرے اور تعلیم یافتہ قارئین، مفکرین، اہلِ علم اور اہلِ دانش اس کتاب سے وسیع استفادہ حاصل کریں۔

ڈائریکٹر جنرل دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد۔

اس صدی کی عظیم شخصیت

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جناب ملا محمد عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح کوندی، چیخوں پر قابو نہ پایا جا سکا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ پڑا۔ وہ شخصیت جس نے کمر باندھ کر روسی دہریہ (communist) کے ساتھ ٹکر لی یہاں تک کہ کفر کا یہ بُت پاش پاش ہوا۔ اس میں ان کی ایک آنکھ بھی شہادت پا کر سرفراز ہوئی۔ اس جنگ کے بعد مفاد پرستوں نے افغانستان کو افراتفری، بدنظمی اور انارکی کی طرف دھکیل دیا۔ اس تاریک فضا میں ملا عمر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ روشنی کا مینارہ بن کر ظاہر ہوئے۔ تائیدِ الٰہی سے ان سب کو مختلف میدانوں میں شکست دے کر امن وامان بحال کیا، اسلامی حکومت قائم کی جس نے پانچ سال تک شریعت نافذ کر کے صحابۂ کرام کے دور کی یاد کو تازہ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ کلامِ مجذوب صفحۂ آخر سے)

پیرِ مُغاں کا دم کہاں اُس کی وہ بزمِ جم کہاں
بادہ نہیں تو ہم کہاں زیست یہ زیست ہی نہیں

دھر کی اب ہے انجمن تیرہ و تار اے حسنؔ
باعثِ نور تو ہی بن اوروں کو فکر ہی نہیں

اے میرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تُو
کلیاں تو گو ہیں چارسو کوئی کلی کھلی نہیں

دل میں لگا کے ان کی لو کر دے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جل رہی ہیں "سو" بزم میں روشنی نہیں

شیخ التفسیر جناب قاضی عبدالکریم صاحب کُلاچوی کی وفاتِ حسرت آیات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جناب قاضی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان بننے سے پہلے کی چند ایک انگلیوں پر گنی جانے والی یادگاروں میں سے ایک عظیم یادگار تھے۔ بندہ کی ان سے پہلی ملاقات تقریباً ۴۵ سال پہلے اپنے شیخ جناب حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر ہوئی۔ درمیانہ قد، سفید ڈاڑھی، سرخ رنگت، سفید پگڑی، انجان سے انجان آدمی بھی دیکھے تو اس کا دل اس بات کو مانے کہ گہری علمی شخصیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خاص ولی ہیں۔ تجسس ہوا، پتا چلا کہ کُلاچی کے دور دراز علاقے میں جہاں جدید سہولتیں بالکل میسر نہیں اور بارانی علاقہ ہونے کی وجہ سے مالی لحاظ سے بھی بہت کمزور حالات ہیں لیکن اس سب کے باوجود ایک بہت کامیاب دارالعلوم چلا رہے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی مجلس علم و معرفت، سوز و گداز اور جوش و خروش سے معمور ہوتی تھی لیکن اس دن انھوں نے حضرت قاضی صاحبؒ سے ہی بیان کروایا۔ بیان اتنا سادہ کہ گویا عام آدمی بول رہے ہوں لیکن اتنا پُر اثر کہ پوری مجلس کو محو کر دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ ہم کئی پروفیسر حضرات نے بغیر کسی ترغیب کے خود بخود ان کے مدرسے کے لئے سالانہ چندہ دینے کے ارادے کر لئے جو مدرسے کا سفیر ہر سال آ کر وصول کرتا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ عمر میں بڑے ہونے اور فاضل دیوبند ہونے کے باوجود اور کئی بزرگوں سے مجازِ بیعت ہونے کے باوجود ہمارے حضرت صاحب سے بہت عاجزانہ ملتے تھے اور مجلس کے آداب کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ انھیں دیکھ کر ہم اناڑی لوگوں کو احساس ہوا کہ بزرگوں کی مجلس میں کیسے بیٹھتے ہیں۔ ہمارے

حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحب مجھ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ مسلسل بالمحبت کی اجازت کے خواہاں ہیں۔ یہ اجازت انھیں حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ فرمانے لگے کہ یہ اجازتیں صرف زبان کا کہنا نہیں ہوتا بلکہ جب آدمی قلب میں وہ جذبات کسی کے لئے محسوس کرتا ہے جو اُس اجازت کے پیچھے ہیں تو وہ جذبات قلب سے قلب میں منتقل ہوتے ہیں۔ حضرت قاضی صاحبؒ کی آمد ورفت جاری رہی یہاں تک کہ ایک دن حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاضی صاحبؒ کو اجازت دے دی۔

علمی اور تصوف کی دنیا کے کئی درخشندہ ستارے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں جن کے مدارس، تصنیف وتالیف کے مراکز اور اصلاح وتربیت کی خانقاہیں ہیں۔ ہمارے محترم و مکرم مہربان جناب حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب جیسی عالمی شہرت یافتہ شخصیت بھی حضرت قاضی صاحبؒ کے مدرسے کے ہی پڑھے ہوئے ہیں۔

بندہ کی ایک دفعہ کُلاچی کے مدرسے میں حاضری ہوئی۔ مجھ جیسے کم علم آدمی سے خطاب کروایا۔ شفقت فرماتے ہوئے خود تشریف فرما ہوئے۔ خطاب کے بعد ہم سب قاضی صاحبؒ کے ہمراہ بستی سے نکلنے لگے۔ کُلاچی قصبے کے درمیان میں مشہور سیاسی لیڈر عنایت اللہ خان گنڈاپور کا ذاتی مکان وحجرہ تھا جس پر کلاشنکوف بردار گارڈ کھڑے ہوتے تھے۔ جس عاجزی سے ان کلاشنکوف بردار گارڈز نے حضرت قاضی صاحب اور ان کے بھائی قاضی عبدالطیف صاحب کو سلام کیا اس سے اندازہ ہوا کہ ان فقراء کے آگے عنایت اللہ خان گنڈاپور، جو صوبہ سرحد کا وزیرِ اعلیٰ بھی رہ چکا تھا، کے گارڈز کا اس طرح عاجزی کا مظاہرہ ان حضرات کی کرامت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

یار محمد صاحب کی وفات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

جناب یار محمد صاحب سابق چیف کنزرویٹر فارسٹ، سابق صوبائی سیکرٹری فارسٹ و سابق وائس چانسلر زرعی یونیورسٹی پشاور بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ بندہ کے دیرینہ دوست تھے۔ تبلیغی جماعت میں وقت لگائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا اشرف خان سلیمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے۔ اتنی اہم پوسٹوں پر بہت کم حضرات رہے ہیں۔ اتنے محتاط رہے کہ حرام کا ایک پیسہ اپنے قریب آنے نہیں دیا۔ محکمۂ جنگلات کے سیکرٹری ہونے کے باوجود جب اپنا مکان تعمیر کر رہے تھے تو لکڑی بازار سے لی۔ عاجزی کی علامت تھے۔ چپڑاسی تک سے عاجزانہ رویہ ہوتا تھا۔ ہر کسی کے ساتھ پوری مدد کی کوشش کرتے تھے۔

ان کے بیٹے ڈاکٹر عدنان ای این ٹی سپیشلسٹ نے ڈاکٹر سفیر صاحب کو بتایا کہ جب جنازہ لے کر گاؤں پہنچے تو لڑکیوں کے دینی مدرسے کے مہتمم صاحب ملنے کے لئے آئے اور والد صاحب کے بارے میں بہت زیادہ سوالات کئے۔ میں وفات کے غم میں مبتلا تھا لیکن ان کے سوالوں کے جوابات دیتا رہا۔ آخر مہتمم صاحب نے بتایا کہ کل رات ان کے مدرسے کی ایک بچی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یار محمد بیمار ہے لیکن تم نے عیادت نہیں کی۔ مہتمم صاحب نے سوچا کہ صبح تحقیق کریں گے کہ یار محمد صاحب کون ہیں۔ صبح لاؤڈ سپیکر پر اعلان سنا کہ یار محمد صاحب کی وفات ہوگئی ہے اور ان کا جنازہ ہوگا۔ یقین ہوگیا کہ یہی ہیں اس لئے آپ سے اتنی باتیں پوچھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

جسٹس (ر) جاوید اقبال کی وفات

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتھم)

جسٹس (ریٹائرڈ) جاوید اقبال اکیانوے سال کی عمر پا کر کینسر کی بیماری سے وفات پا گئے۔ بندہ کی ایک بار ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی جبکہ بندہ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی کا مسلم لیگ کا گولڈ میڈل وصول کرنے کے لئے گیا تھا۔ اس تقریب کی صدارت ان کے والد علامہ محمد اقبال مرحوم کی وجہ سے جسٹس صاحب کو دی گئی تھی۔

علامہ اقبال کی پہلی اہلیہ کی وفات ہو گئی تھی۔ دوسری سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جسٹس صاحب ان کی آخری عمر کی اولاد تھے اس لئے ابھی ان کی عمر گیارہ سال ہی تھی کہ علامہ اقبال کی وفات ہو گئی۔ جسٹس صاحب کی پرورش ایک جرمن نرس کے ہاتھوں میں ہوئی۔ علامہ صاحب کو وفات کی وجہ سے بچے کی تربیت کا موقع نہ ملا۔ اس بنا پر جسٹس جاوید اقبال صاحب انگریزی قانون کے مطابق عدالتی فیصلے تو دیانتداری سے کرتے رہے ہوں گے مگر جہاں تک اسلامی تعلیمات کا تعلق ہے، اس سلسلے میں بہت غلط فہمیوں کا شکار تھے۔ اجتہاد کا مسئلہ جس کے بارے میں شروع دور میں علامہ اقبال کی رائے مختلف تھی لیکن جب حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ اقبال کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے فلسفہ کے دو اہم مضامین 'حدوثِ عالَم' اور 'زمان و مکان' تفصیل کے ساتھ شاہ صاحب سے پڑھے تو ان کا اجتہاد کا مؤقف بھی بدل کر اہلِ سنت والجماعت کے مطابق ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد عمر نے وفا نہ کی اور علامہ اقبال ان باتوں کی وضاحت کئے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے جب کہ جاوید اقبال علامہ اقبال مرحوم کے پرانے مؤقف کو ہی بار بار دہراتے رہے۔ بہرحال وہ اب ہم میں نہیں ہیں، اگر موت کے وقت ایمان سالم لے کر دنیا سے رخصت ہوئے ہوں تو اللہ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں لے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

عبدالقیوم حقانی صاحب کی سوغات

"القاسم" کا قاضی عبدالکریم صاحبؒ کُلاچوی نمبر

(نوٹ: زندگی میں جن علما اور مشائخ کی زیارت نصیب ہوئی ان میں ایک جناب قاضی عبدالکریم صاحب رحمہٗ اللہ ہیں۔ جتنی شخصیات کی زیارت ہوئی ان میں سے چند تو بہت ہی پسند آئیں اور یادوں اور خیالوں میں سما گئیں۔ ان میں سے ایک جناب قاضی صاحبؒ تھے۔ بندہ ابھی تک ان کی تعزیت کا ایک صفحہ اپنے رسالے میں نہیں لکھ پایا تھا کہ جناب عبدالقیوم حقانی صاحب نے قاضی صاحبؒ پر القاسم کا پورا نمبر شائع کر کے تبصرے کے لئے بھیج دیا۔ اسی نمبر کے دو مضامین کو اپنے رسالے میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ سب دوستوں اور مریدوں کو تاکیداً عرض کر رہا ہوں کہ القاسم کا یہ نمبر سب کی نظروں سے گزرنا چاہیے۔ بہت زیادہ روحانی فائدے کا ذریعہ ہوگا۔ حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم)

....

مختصر حالاتِ زندگی

(حضرت مولانا قاضی محمد نسیم صاحب مدظلہٗ، مہتمم نجم المدارس کُلاچی)

۱) مولانا قاضی عبدالکریمؒ ولد مولانا قاضی نجم الدین صاحبؒ قوم دفتانی (پٹھان) متوطن کُلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، صوبہ خیبر پختونخواہ۔ پیدائش ۱۹۲۰ء۔

۲) تعلیم: حفظِ قرآن مجید شہر کے مشہور بزرگ حافظ جمال الدین استاد مرحوم سے کیا۔ پرائمری کُلاچی کے قابل ترین ماسٹر صوفی بختاور صاحب مرحوم سے گھر پر ہی پڑھی۔ ابتدائی درجاتِ کتب،

درجاتِ فارسی، صرف ونحو اپنے والد بزرگوار مولانا قاضی نجم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور پروفیسر مولانا عبدالرحیم صاحب گُلاچوی جو اکثر علمائے شہر (گُلاچی) کے استادِ حدیث وتفسیر تھے، اسلامیہ کالج پشاور کے مکتبہ علومِ شرقیہ کے ناظم تھے، 'حجۃ اللہ البالغۃ' کا اردو ترجمہ بھی کر چکے ہیں اور 'لباب المعارف' کے مصنف ہیں، سے پڑھیں۔ بعد ازاں آپ سراج العلوم سرگودھا تشریف لے گئے۔ وہاں درجۂ عالیہ تک حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سرگودھوی، حضرت مولانا صالح محمد صاحبؒ، مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ، مولانا نور محمد صاحبؒ میانوالی والے، وغیرہ سے کتابیں پڑھیں۔ پھر حضرت قاضی صاحبؒ غالباً ۱۸/۱۹ سال کی عمر میں خیر المدارس جالندھر گئے اور مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف اور ہدایہ وغیرہ کتابیں خیر الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری، مولانا عبداللہ صاحبؒ ساہیوال والے، وغیرہ اساتذہ کرام سے پڑھیں۔ دورۂ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور بارہ شوال المکرّم ۱۳۵۷ھ میں داخلہ لیا۔ وہاں ایک سال منابع العلوم والعرفان حضرات علمائے کرام جن میں زینت العلماء شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب المدنی نوّرہ اللہ مرقدہٗ، مولانا محمد ابراھیم صاحبؒ بلیاوی، مولانا اعزاز علی صاحبؒ، مولانا اصغر حسین صاحبؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ صاحبِ معارف القرآن، مولانا شبیر احمد صاحبؒ عثمانی، مولانا عبدالسمیع صاحبؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور مولانا محمد طیب صاحبؒ سے دورۂ حدیث پڑھا۔

۳) ۱۹۶۹ء میں نجم المدارس گُلاچی کی بنیاد رکھی اور اسی وقت سے مہتمم، صدر مدرس، افتاء و قضا، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، تین سال پہلے تک، یعنی بیماری سے قبل، یہ تمام ذمہ داریاں خوب خوب نبھاتے رہے۔ جمعیت علمائے اسلام کے عرصۂ دراز تک ضلعی اور صوبائی امیر رہے ہیں اور جمعیت علمائے اسلام کے صوبائی اور مرکزِ شوریٰ کے رکنِ رکین رہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان بنانے کے لئے حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ

تھانوی اور خیر الساتذہ مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری نے علیحدہ علیحدہ کوششیں شروع کی تھیں تو دونوں حضرات کے دعوت نامے حضرت قاضی صاحبؒ کے پاس پہنچے تھے۔ حضرت قاضی صاحبؒ حضرت جالندھری صاحبؒ کے اجلاس میں تشریف لے گئے۔ حضرت تھانویؒ اور حضرت جالندھریؒ کے اختلاف کو اسی پہلے ہی اجلاس میں ختم کرنے کے لئے اہم کردار ادا کیا اور اسی پہلے ہی اجلاس میں بزرگانِ امت کی سعی سے ایک ہی ''وفاق'' بالاتفاق معرضِ وجود میں آیا۔ حضرت قاضی صاحبؒ پہلے ہی روز سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے عاملہ کے رکن اور شوریٰ کے رکن رہے ہیں اور ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن کے ناظم الوفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی رہے ہیں۔

سلسلۂ بیعت سے پہلے افغانستان کے مشہور مجددی خان کے روحِ رواں جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے، ان کے بعد حضرت مولانا شمس الحق صاحبؒ افغانی، بعد ازاں مولانا جمیل احمد صاحبؒ میواتی رائیونڈ اور ڈیرہ غازی خان گدائی شریف کے حضرت علی المرتضیٰ صاحبؒ اور آخر میں حضرت لاہوری رحمۂ اللہ کے خلیفہ مولانا غلام رسول صاحبؒ ماہڑہ، ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رہا ہے۔

....

آپ بیتی کا ایک ورق، چند حسین یادیں

اکابر کا تذکرہ، مشاہدات اور حکایات

(شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کُلاچوی، فاضل دیوبند)

(میری درخواست اور اسرار پر قاضی صاحبؒ نے ماہنامہ القاسم میں اپنی آپ بیتی، مشاہدات، اکابر کے واقعات اور حکایات کا بڑا دلچسپ سلسلہ شروع کر دیا تھا، جسے علما، صلحاء اور قارئین نے بے حد پسند کیا۔ ان ہی مشاہدات، واقعات اور نقلِ حکایات

سے خود قاضی صاحبؒ کی سوانح کی ایک جھلک بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ قارئین پڑھیں گے تو حضرتؒ کے سوانح کا ایک دلچسپ پہلو بھی ان کی نگاہوں کے سامنے آجائے گا۔ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! والا نامہ ملا۔ حسین یادیں کے عنوان سے میرے ایک مضمون کی کوئی بات آپ کو پسند آئی ہے تو یہ احقر کا کوئی کمال نہیں.....

مادحِ خورشید مدّاحِ خود است

جو شخص آفتاب کی روشنی کی تعریف کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی آنکھوں کی صحت وسلامتی کی تعریف کررہا ہے۔ یہاں آفتاب اپنے اکابرین کا تذکرہ اور وہ چونکہ بحمداللہ صالحینِ امت کے برگزیدہ افراد میں سے تھے اور صلحائے امت کے ذکرِ خیر سے نزولِ رحمت اکابرین کی تصریح یا روایات سے ثابت ہے تو اس کا احساس آپ ہی کی سلامتیٔ قلب اور صحتِ عقل کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید برکت فرماویں۔ (آمین)

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ

کسانیکہ یزداں پرستی کنند

برآواز دولاب مستی کنند

احقر کی ٹوٹی پھوٹی چند سطور سے اگر آپ کو رقت طاری ہوئی یا طبیعت متأثر ہوئی تو یہ آپ ہی کی یزداں پرستی کی علامت ہے۔ دولاب کا اس پر خوش ہونا مضحکہ خیز بات ہوگی۔ بلاشبہ ہم جیسے کم ظرف طلباء کا اس پر پھول جانا ایک طبعی بات ہے جس پر استغفار لازم ہے۔

اقول و استغفر اللہ ربی ان یحفظنا معکم من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

مولانا عرض محمد صاحبؒ کا ایک ملفوظ:

یہ ناکارہ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ میں مُدرس تھا۔ مدرسہ کی طرف

سے ایک جلسۂ عام کرنے کی تجویز پیش ہوئی تو مدرسہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب مرحوم ومغفور نے فرمایا کہ کوئی ایسا مؤثر وعظ کرنے والا معلوم ہو تو مجھے بتائیں تاکہ اس سے رابطہ کیا جائے۔ کسی نے حضرت مولانا حافظ اللہ وسایا صاحب مرحوم ومغفور فاضل دیوبند کا ذکر کیا تو آپ نے پوچھا کیا ان کا وعظ واقعی مؤثر رہتا ہے تو جواب میں کسی نے کہا اجی ان کے وعظ کا کیا پوچھنا، ان کی تقریر میں تو سنا ہے حضرت مدنی (قدس اللہ سرہٗ) رو پڑتے ہیں۔ مہتمم صاحبؒ نے کہا کہ یہ تو ان کے وعظ کے مؤثر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے سامنے تو کوئی بھی اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں کہنے لگے تو آپ رونے لگ جائیں گے۔ مہتمم صاحبؒ نے فرمایا میں ایسا مقرر چاہتا ہوں کہ ہم جیسوں کو بھی رُلا دے۔

تو اصل بات مؤثر کی نہیں متأثر کی ہے۔ قائل اور فاعل کی نہیں، منفعل اور سننے والے کی ہے۔ ہاں میرے لئے اس میں اتنی بات باعثِ صد مسرت ہے کہ اگر کوئی صاحبِ دل اس سے اثر پذیر ہو کر میرے لئے حفاظت عن المعاصی والمصائب اور حسنِ خاتمہ کی دعا کرتا رہے تو زہے خوش قسمتی۔ غالباً سعدیؒ کا ہی ارشاد ہے کہ ؎

نہ بہ حرف بستہ مشوشم نہ بہ نقش خوب بِدل خوشم
نفسے بیاد او می زنم چہ عبارت و چہ معانیم

اطاعت کا دلچسپ واقعہ:

مولانا عرض محمد صاحبؒ کا ذکر آ گیا تو شاید آپ کے علم میں نہ ہو، موصوف شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے عاشق زار تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت قدس سرہٗ کسی سفر سے واپس تشریف لائے، میں حاضر ہوا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے، آپ کچھ لکھ رہے تھے یا کوئی خط پڑھ رہے تھے، بہرحال نگاہ نیچے تھی، میں نے السلام علیکم کہتے ہوئے ہاتھ بڑھائے تو حضرت

رحمہٗ اللہ نے سر اُٹھا کر دیکھا، میں اس وقت سر پر ململ کی پگڑی باندھے ہوئے تھا، حضرت نے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے، مطلب یہ کہ مصافحہ سے انکار کیا۔ مولانا عرض محمد صاحبؒ بڑوں سے بھی بعض اوقات بے تکلف ہوجاتے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا حضرت کیوں؟ حضرتؒ نے فرمایا یہ کیا باندھ رکھا ہے؟ میں نے نفیس ململ کی پگڑی اتار کر عرض کیا: حضرت یہ؟ حضرتؒ نے فرمایا: ہاں یہی۔ کہتے ہیں میں نے اسی وقت اس کا ایک ایک تار علیحدہ کر کے چیر پھاڑ کر دور پھینک دیا اور عرض کیا: حضرت بس؟ حضرتؒ نے دونوں دست مبارک آگے بڑھائے اور ہنستے ہوئے مصافحہ فرمایا۔

قادیانی کے مقابلہ میں جناح کا ساتھ دیا:

کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت مدنیؒ کے ساتھ جماعتی صدارت کے لئے مسلم لیگ کے امیدوار کو کامیاب بنانے کے لئے پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور وہ امیدوار کامیاب بھی ہوگیا۔ یہ غالباً ۱۹۳۵ء کی بات تھی۔ جماعت کی صدارت کے لئے انتخاب تھا اور مقابلہ میں ایک مرتد مدعیٔ اسلام تھا۔

مولانا عرض محمد صاحبؒ نے بتایا کہ وہ امیدوار جناح صاحب تھے اور مقابلہ میں ظفراللہ قادیانی۔ آپؒ نے یہ بھی بتلایا کہ ایک دفعہ جناح صاحب کوئٹہ آئے تو میں ان سے ملاقات کے لئے گیا اور میں نے ان پر واضح کیا کہ میں وہ آدمی ہوں کہ جس نے حضرت مدنیؒ کے ساتھ پورے ہندوستان میں آپ کی کامیابی کے لئے دورہ کیا تھا۔ مجھے آپ کی سیاست سے کوئی اتفاق نہیں، میں اپنے بلوچ رواج کے مطابق آپ سے ملنے آیا ہوں کہ آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ہمارے صوبے میں آئے ہیں۔ مولانا عرض محمد صاحبؒ نے کہا کہ اس مجلس میں ان سے تبادلۂ خیالات کے بعد جب میں رخصت ہونے لگا تو جناح صاحب میرے ساتھ دروازے تک آئے اور رخصت کرتے وقت یہ بھی کہا کہ مولانا یہ نجی باتیں تھیں، یہ پریس میں نہیں آنی چاہئیں۔

سادہ اور کھری باتیں:

ایک دفعہ جب مودودی صاحب کوئٹہ آئے اور مودودی جماعت نے حسبِ عادت شہر کے ہر قسم کے معزز اور مشہور لوگوں کو چائے پر بلایا تو مولاناؒ کو بھی دعوت دی۔ آپ چلے گئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے مودودی صاحب سے کہا: جناب آپ بڑے آدمی ہیں، بڑے کام کریں، آئینِ اسلامی کے نفاذ پر محنت کریں، عام مسائلِ شریعت میں دخل نہ دیا کریں، اس میں آپ بھول جاتے ہیں، پھر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بڑی سادگی سے ان کو یہ سب کچھ کہہ دیا۔ واضح رہے کہ اس وقت تک جمعیت علمائے اسلام بہ سرپرستی حضرت شیخ التفسیرؒ کی بنیاد نہیں ڈالی گئی تھی، اس لئے آئینِ اسلامی پر محنت کرو کی بات ان کو کہی۔ ۱۹۵۶ء کے دستور پر ساد (دستخط) کرنے سے آئینِ اسلامی پر محنت کرنے کی حقیقت بھی کھل گئی۔ (ادارہ: اس دستور پر جماعت اسلامی نے تو دستخط کر دیا حالانکہ وہ مکمل اسلامی نہیں تھا)

مولانا عرض محمد صاحبؒ کا حضرت مدنیؒ سے بیعت کا قصہ:

فرمایا کہ میں حضرت مدنیؒ کا شاگرد تھا، خادم تھا اور آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کا عاشق، لیکن آزاد سا تھا۔ آپؒ سے بیعت کا کوئی خیال نہیں آیا۔ ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ میرے چند غالباً دورۂ حدیث شریف کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہوا میں اُڑ رہے ہیں، میں نے افسوس کرتے ہوئے کہا کہ میں بھی تو حضرت مدنیؒ کا شاگرد ہوں، جواب میں کہا گیا کہ یہ شاگردی کی بات نہیں ہے۔ کہتے ہیں میں بیدار ہوا تو قدرتی دل میں یہ تعبیر آئی کہ اچھا یہ پھر مریدی کی بات ہے۔ بس پھر حضرتؒ کو درخواست کر دی کہ حضرت میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مغرب کی نماز کے بعد بیعت ہونے والے آئیں گے، تو بھی آجا۔ مولانا عرض محمد صاحبؒ نے کہا کہ میں جب اس وقت حاضر ہوا تو بہت سے حضرات اسی غرض سے موجود تھے۔

حضرت نے ایک رومال کا ایک پلّو خود پکڑا، باقی کے متعلق فرمایا تم سب اسے پکڑلو۔ میں چونکہ مجلس کے آخری کونے پر بیٹھا تھا اس لئے مجھ تک رومال پہنچا تو پکڑنے کے لئے کوئی حصہ بھی باقی نہ رہا۔ میں نے حسرت بھری نگاہ سے حضرت کی طرف نظر کی گویا دل یہ گنگنا رہا تھا کہ ؂

در مجلسے کہ رنداں شرب مدام کردند

چوں نوبتے بماشد آتش بجام کردند

ترجمہ: مجلس میں رند (شرابی) پے در پے پی رہے تھے لیکن جب میری باری آئی تو جام میں آگ ہی بھردی۔

تو حضرتؒ نے اپنے سر مبارک کا رومال شریف کھول کر میری جانب پھینکا اور فرمایا بھائی تم اسے پکڑلو۔ مولانا عرض محمد صاحبؒ نے سنایا کہ حضرتؒ کا یہ ارشاد تو سنا، اس کے ساتھ کچھ روشنی سی محسوس ہوئی اور میں بیہوش ہوگیا، پھر مجھے کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ حضرتؒ نے کیا تلقین فرمایا اور کیا کلمات کہلوائے، کہا میں جب ہوش میں آیا تو نہ مجلس میں حضرتؒ موجود تھے اور نہ بیعت والے ساتھی۔ ربودگی کے اس عالم میں جو بیعت ہوئی کہ نہ تلقینی کلمات سنے نہ توبہ تائب ہونا معلوم کیا، اُس نے کتنے مجاہدات کئے ہوں گے، ایک آزاد خیال مولوی سے اس کی کتنی امید کی جاسکتی ہے۔

آیۃ الکرسی کی برکتیں:

یہ تو مولانا عرض محمد صاحبؒ کا واقعہ تھا جو اہلِ علم تھے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ العرب والعجم سے وارفتگی میں سہی بیعت کے وقت حضرتؒ کے رومال پکڑنے والے، یا کم از کم اس کا ارادہ کرنے والے تھے۔

اس سے عجیب تر واقعہ یہ ہے اور یہ واقعہ ان کی رہائشی بستی کے ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ بہلول خیل کے ایک پیش امام صاحب، مُلا باز گل مرحوم و مغفور ان کا نام تھا، ان کے دونوں بچے

یہاں نجم المدارس کُلاچی میں ابجد سے لے کر موقوف علیہ تک پڑھتے رہے۔ دورۂ حدیث شریف دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ سے پڑھا۔ موصوف مُلا بازگل صاحب کچھ مسئلے مسائل، شاید قدوری، کنز کا حصہ عبادات والد صاحب حضرت مولانا قاضی نجم الدین صاحبؒ سے پڑھ کر بطورِ تبرک مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ پڑھا کرتے تھے۔ سیدھے سادے مسلمان تھے، معمولی سی آلو، پیاز وغیرہ کی دوکان ذریعۂ معاش تھی، نظام الاوقات کچھ اس طرح بنا ہوا تھا کہ صبح نماز پڑھا کر بچوں کو قرآن مجید پڑھاتے، کچھ دیر بعد کھانا کھا کر بازار (کُلاچی) آتے، آلو، پیاز خرید کر اپنی پُشت پر لادتے اور یہاں (حجرۂ قاضی صاحب، جو بعد میں نجم المدارس کی صورت میں ظاہر ہوا) گھنٹہ ڈیڑھ تک مشکوٰۃ شریف کا درس بھی لیتے اور اوپر اوپر کی باتیں بھی ہوتیں، گرمی کے موسم میں بھی کڑکتی دھوپ میں سر اور بدن پر پانی ڈال کر چل پڑتے، موٹا بدن تھا آہستہ آہستہ جاتے، ظہر کے بعد دوکان کھولتے، عصر تک یہ شغل رہتا۔ تفصیل کو چھوڑتے ہوئے مختصر یہ کہ ایک دفعہ اسی بستی میں ایک ہندو جادوگر آیا اور مختلف دوکانوں سے جادو ہی کے ذریعے کچھ نہ کچھ چوری کر لیتا (تالا توڑے یا کھولے بغیر)۔

مولانا بازگل صاحب نے کہا کہ یہ میری دوکان سے کچھ نہیں لے جا سکتا۔ ایک رات جادوگر نے چیلنج کیا کہ آج رات میں مُلا بازگل صاحب کی دوکان پر حملہ کروں گا، اسے بتلا دو، پیش امام صاحب کو بتلایا گیا، انھیں ذرا بھی تشویش نہیں ہوئی، رات گزر گئی، ملا صاحب کی دوکان بالکل محفوظ رہی اور جادوگر کو اپنی ہار ماننی پڑی۔ الحق یعلو ولا یعلی کی تصدیق عام وخاص کو کرنی پڑی۔ نہ مُلا صاحب اس پر پھولے نہ ہی زندہ بعد کا کوئی نعرہ لگا اور نہ ہی کوئی جلسہ اور جلوس ہوا۔ مولانا صاحب حسبِ عادت بازار آئے، سودا لیا اور حجرہ میں والد صاحبؒ سے مشکوٰۃ شریف کا درس لینے آئے۔ والد صاحبؒ کو واقع کی اطلاع پہنچی تو دورانِ سبق مُلا بازگل صاحب سے واقعہ کی تصدیق چاہی، انھوں نے بڑی سادگی سے جواباً تصدیق کی کہ جی ہاں، آخر وہ ہندو ہو کر کیسے لے جاتا اور

کیوں لے جاتا۔ والد صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا آپ نے اس بات کا کوئی خاص ورد وظیفہ پڑھ لیا تھا، مُلا صاحب نے کوئی تعجب کئے بغیر بڑی سادگی سے کہا کیوں جی، اس دن مشکوٰۃ شریف میں یہ پڑھ نہیں لیا تھا کہ جو شخص رات کو سونے سے پہلے آیۃ الکرسی پڑھ لے اس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے ہیں، میں وہی پڑھ کر سویا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ یقینِ محکم کا اثر ہے لیکن سوچا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ یقینِ محکم بھی ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ یقین کی پختگی یعنی نورِ ایمان میں اضافہ اعمالِ صالحہ، سرّا اور ضرّاء میں احکامِ شریعت کی پابندی سے ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس معاصیٔ ذنوب اور گناہوں سے ایمان اور یقین کم ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

بیوی سے معافی مانگ لی:

مُلا صاحب کی عملی زندگی کی ایک جھلک دیکھ لیجئے۔ موصوف نے ایک دن اپنے استادِ مکرم (والد صاحبؒ) کو بیان کیا کہ آج میں نے اپنی بیوی کو خوب تھپڑ لگایا جس سے وہ گرگئی اور دیر تک روتی رہی۔ والد صاحبؒ نے وجہ دریافت فرمائی، انھوں نے کہا کہ گھی کا برتن گرایا جس سے کافی نقصان ہوا۔ استادِ مکرمؒ نے فرمایا، اچھا ٹھیک، جان بوجھ کر گرایا ہوگا! انھوں نے کہا جی نہیں، ایسے کام کوئی جان بوجھ کر تھوڑی کرتا ہے۔ حضرت الاستادؒ نے فرمایا کہ اچھا غلطی سے گرا تو تھپڑ مارنے سے وہ گھی پھر برتن میں آ گیا؟ وہ ندامت کی ہنسی سے کہنے لگے جی نہیں، واپس تو نہیں آیا۔ اس صغریٰ کبریٰ کے ملانے سے شکل اول کا نتیجہ خود بخود ان کے ذہن میں آ گیا۔ کہنے لگے پھر تو غلط کام کیا۔ استادِ محترمؒ نے فرمایا: غلط کیا، قیامت میں اس کی جواب دہی آپ کے لئے بہت مشکل ہوگی۔ مُلا بازگل صاحبؒ نے کہا: استاذ جی اس کا علاج کیا ہوسکتا ہے، فرمایا اس سے معافی مانگ لوگے، اور وہ معاف کرے گی تو معاملہ صاف ہو جائے گا، بازپُرس کا سوال پیدا نہیں ہوگا۔

مُلا بازگل صاحب گھر گئے، اخذتہ العزۃ بالاثم کے علی الرغم صاف طور سے بیوی کو کہا کہ

استادِ محترم نے مجھے کہا کہ تم نے بیوی کو تھپڑ لگا کر بہت بڑا گناہ کیا، اس سے معافی مانگ لو ورنہ قیامت میں اس کی سزا برداشت نہیں کرسکو گے۔ اب تم مہربانی کر کے مجھے، معاف کردو۔ مُلا صاحب کا بیان ہے کہ میری بیوی یہ سن کر خوشی سے رونے لگی اور کہنے لگی کہ میں تو سمجھتی تھی کہ میرا نہ تو باپ ہے نہ بھائی، اب کس کے پاس فریاد کروں، آج پتا چلا کہ اسلام ہے اور استاد ہے تو پھر سب کچھ ہے۔

ریاضت یعنی اسلام پر عمل کرنے کا ایک دوسرا واقعہ۔ انہی مُلا باز گل مرحوم کی عادت تھی کہ جب ان کے پاس چھوٹی عید اور بڑی عید کے دنوں ساٹھ ستر روپیہ ہو جاتا تو محلے والوں سے علی الاعلان کہہ دیتے کہ آج کل میں صاحبِ نصاب ہوں، مجھ پر فطرانہ اور چرمِ قربانی کی رقم نہیں لگ سکتی، کسی مسکین کو دے دیں۔ اس سے بھی بڑھ کر غرورِ نفس کی قربانی یہ تھی کہ جن دنوں نصاب کے مالک نہ ہوتے تو بھی اعلاناً کہہ دیتے کہ آج کل میں مسکین ہوں، قربانی کے چمڑے کی رقم یا فطرانے لے سکتا ہوں، کوئی خوشی سے چاہے تو دے سکتا ہے، نہیں تو تمہاری مرضی۔

آخر عمر میں غالباً چھ سات سال فالج سے رہے۔ بہرحال فارغ وقت میں دوکان پر بیٹھ جاتے اور خوشی خوشی سب گھرانہ سوکھی روٹی پر گزر بسر کرتا رہتا۔ ایسے مسلمان کے ایمان اور یقین کے سامنے ہندو کا جادو کیسے چل سکتا تھا۔

یقینِ محکم کے مزید اثرات:

مرحوم کی روح پرواز کرنے لگی تو کمرہ میں خوشبو پھیل گئی، جسے حاضرین نے محسوس کیا۔

بڑے لڑکے مولوی جلال الدین صاحب مرحوم و مغفور ان دنوں مشکوٰۃ شریف پڑھ رہے تھے، ان کو خواب میں اپنے باپ مُلا باز گلؒ کی زیارت ہوئی تو پوچھا ابا جان منکر نکیر کا معاملہ کس طرح گزرا۔ کہتا ہے کہ ابا جان نے فرمایا میرے پاس تو منکر نکیر نہیں آئے۔ خواب دیکھنے والے نے راقم الحروف سے پوچھا کہ استاذ جی کیا قبر کے سوال و جواب ہر میت سے نہیں ہوتے، جیسا کہ ہم نے احادیث میں

پڑھا ہے۔ راقم الحروف نے جواباً کہا کہ انھوں نے سوال و جواب کا انکار نہیں کیا بلکہ منکر نکیر کے آنے کا انکار کیا ہے اور صاحب مرقاتؒ نے لکھا ہے کہ صالحینِ امت کے پاس جو فرشتے آتے ہیں ان کا نام مبشر اور بشیر ہے اور ان کی شکلیں اور صورتیں بھی گویا منکر نہیں بلکہ مانوس ہوتی ہیں۔ ماشاءاللہ والحمدللہ۔ خواب میں اور باتیں بھی ہوئیں تحریر لمبی ہوگئی۔ بس کنم ایں قصه را کوتاه کنم.

مولانا عرض محمد صاحبؒ کا ایک اور واقعہ:

شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرّہٗ کے وصال کے بعد مولانا عرض محمد صاحبؒ نے شیخ التفسیر حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ انھوں نے بتلایا کہ ایک دن میں شیرانوالہ کے ایک حجرے میں صبح کے بعد اپنے معمول میں مشغول تھا کہ قلب جاری ہوگیا۔ حقیقت اس کی تو اہلُ اللہ اور صوفیاء جانتے ہوں گے، میرے جیسا متوسط طالبعلم تو یہ سمجھتا ہے کہ بے اختیار دل اللہ اللہ کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں دروازے پر دستک سنی، اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا کام ہوگیا۔ مولانا کہتے ہیں کہ میں نے موٹے لفظوں میں کہا کہ حضرت کام تو ہوگیا مگر آپ کو کیسے پتا چلا۔ حضرت نے ہنس کر فرمایا: میں ساریاں تے پھیرا مار آیاں۔ میں نے سب کی طرف توجہ کی، جس جس کا قلب جاری ہوا اس کی حالت مکشوف بھی ہوگئی، مطلب یہ کہ ؎

دیده احقر و دل همراه تست

تا نه پنداری که تنها می روی

یعنی

آنکھ اور دل بھی تمہارے ساتھ ہے

تم نہ یہ جانو کہ تنہا ہو کہیں

. . . .

ڈاکٹر ارشاد صاحب کا سفرنامہ

(پروفیسر ڈاکٹر ارشاد صاحب، شعبۂ سوّل انجینئر نگ، یونیورسٹی آف انجینئر نگ اینڈ ٹیکنالوجی پشاور)

میں اپنے کینیڈا کے سفر میں ایک چھوٹے سے شہر لندن کے بس سٹیشن پر امریکہ کے شہر شکاگو جانے والی بس سروس ''گرے ہاؤنڈ'' کے انتظار میں تھا۔ بس سٹیشن پر میں نے کچھ لمبے اور سرخ و سفید مردوں کو دیکھا۔ ان کے سر کے بال، ڈاڑھیاں اور مونچھیں سنت کے مطابق بنی ہوئی تھیں۔ مجھے ایسے لگا جیسے دیر سوات کے لوگ ہوں۔ میں نے ان سے ملنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میری نظر ان کے لباس پر پڑی۔ انھوں نے سوٹ پہنا ہوا تھا اور سر پر ہیٹ تھا تو یہ خیال ہوا کہ کہیں یہودی نہ ہوں۔ ان کیساتھ ان کی عورتیں بھی تھیں جنھوں نے لمبے ڈھیلے لباس اور سر پر سکارف پہنے ہوئے تھے۔ اتفاقاً وہ بھی اسی بس میں بیٹھ گئے جس میں بندہ سفر کر رہا تھا۔ سفر کے دوران وہ مجھے دیکھ رہے تھے اور میں انھیں۔ دونوں طرف تجسس اور بات کرنے کی تشنگی تھی پر میں امریکہ کی سرحد پار کرنے کی فکر میں تھا اور سوچا کہ سرحد پار کرنے کے بعد ان سے ملاقات کرلوں گا مگر امریکہ کے شہر ڈیٹرؤیٹ میں سب کو اترنا پڑا اور یوں یہ تشنگی تشنگی ہی رہ گئی۔ شکاگو اپنے میزبان دوست کے پاس پہنچ کر اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بہت دلچسپ معلومات فراہم کیں۔ بعد میں خود بھی تحقیق کی۔ ان لوگوں کو ''آمش'' کہتے ہیں جو عیسائیت کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ امریکہ اور کینیڈا کے دیہاتوں میں رہتے ہیں۔ ان کے مطابق یہ بائیبل کے پیغمبروں جیسا طرزِ زندگی اپنائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ جدیدیت کے مخالف ہیں، اجتماعیت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اس لئے بجلی سے چلنے والی مشینوں کو استعمال نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اس سے دوسروں پر انحصار کم ہو جاتا ہے اور اجتماعیت کی بجائے انفرادیت بڑھتی ہے۔ مونچھیں اس لئے کترواتے ہیں کہ یہ کبر کی نشانی ہے اور ڈاڑھی اس لئے رکھتے ہیں کہ یہ مردانگی کی علامت ہے۔ ان کے دیہاتوں میں ابھی بھی ٹانگے

چلتے ہیں۔ جب لڑکیوں کی عمر اٹھارہ سال کی ہو جاتی ہے تو انھیں اختیار دے دیا جاتا ہے کہ اگر چاہیں تو اس کمیونٹی کو چھوڑ کر باہر کی دنیا کو آزمائیں۔ جو لڑکیاں باہر چلی جاتی ہیں ان میں سے اسّی فیصد واپس اسی کمیونٹی میں آجاتی ہیں۔ یہ لوگ آپس کی شدید لڑائیوں میں بطورِ سزا ایک دوسرے کے سر اور ڈاڑھی کے بال کاٹتے ہیں جو انتہائی بے عزتی کی بات ہوتی ہے۔ ان کی تعلیمات کی بنیاد عاجزی اور انکساری پر ہے۔ لڑکے باپ کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور لڑکیاں گھر میں کام کرتی ہیں۔ بوڑھے ماں باپ کو گھر میں رکھا جاتا ہے اور ان کی خدمت کی جاتی ہے۔ خاندان کے بڑوں کی بات ماننا اور تابعداری کرنا ان کو بچپن سے سکھایا جاتا ہے۔ میرے ایک دوست ان کے علاقے میں گیا۔ اس نے کہا کہ ان کے گھروں کے سامنے تازہ پھلوں کی ٹوکریاں پڑی ہوتی ہیں جس پر قیمت لکھی ہوتی ہے، کوئی بیچنے والا نہیں ہوتا، جو خرید لیتا ہے وہ ساتھ پڑے ڈبے میں مقررہ رقم ڈال دیتا ہے۔

اس سال کے شروع میں چین کے شہر چینگدو جانا ہوا۔ وہ لوگ مہمانوں اور اپنے سے عمر میں بڑوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ کوئی چیز دینی ہو تو دونوں ہاتھوں سے دیتے ہیں۔ اپنی نشست بڑوں اور مہمانوں کے لیے چھوڑتے ہیں۔ ان کے نوجوانوں کا لباس مغربی طرز پر ہے۔ مگر یورپ کی طرح گلی کوچوں میں جنسی بے راہ روی نہیں بلکہ اس پر پابندی ہے۔ یہاں کے سیب انتہائی رسیلے ہوتے ہیں۔ مالٹوں کی ایک قسم خربوزے کے برابر ہوتی ہے۔ میٹھی اور رس بھری۔ دو تین آدمیوں کے لئے ایک مالٹا کافی ہوتا ہے، اور ایک قسم اخروٹ کے برابر ہے، چھیلنے میں بہت آسان، بغیر بیج کے اور میٹھی۔

چین میں ایک پارٹی سسٹم ہے اور وہی اقتدار میں آتی ہے۔ احتجاج کے لئے حکومت سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ اسلحہ کا گھر میں بھی رکھنا قانوناً منع ہے۔ ایک بچے سے زیادہ پیدا کرنے پر جرمانہ ہوتا ہے۔ میتوں کو حکومت کے حکم پر اب جلایا جاتا ہے۔ میرے چینی دوست نے کہا کہ ایک

دفعہ ایک شخص کو مردہ سمجھ کر آگ کی بھٹی میں ڈالا گیا اور ہزاروں درجہ کی بھڑکتی آگ میں ڈالتے ہی چیخ مار کر آگ بگولا ہو گیا۔ میرے دوست نے یہ بھی بتایا کہ ان کو بچپن سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ پاکستان چین کا دوست ہے اور انڈیا دشمن۔ میں چین میں شلوار قمیص میں پھرتا اور میرا چینی دوست اس کو سراہتا۔ چین میں بہت کم لوگوں کا پیٹ ابھرا دیکھا۔ شاید اس کی وجہ چینی کا بہت کم استعمال ہو۔ وہ لوگ قہوہ بہت پیتے ہیں اور ایک ہی چائے کی پتی میں کئی کئی بار بغیر چینی کے گرم پانی ڈالتے ہیں۔ مہمانی میں اکثر سادہ گرم پانی پیش کرتے ہیں۔ چائے کی پتی کی کافی مہنگی اقسام پائی جاتی ہیں۔ ۱۵۰۰۰ روپے فی کلو تک میں نے دیکھیں۔ بعض کھانے انتہائی مرچوں والے ہوتے ہیں جو ہم نہیں کھا سکتے۔ کھانے سے پہلے لیموں ملا گرم پانی پیتے ہیں۔ چینی ہوٹل میں سبزی بھی نہیں کھانی چاہئے اس لئے کہ یہ لوگ جانوروں کی چربی کھانوں میں ڈالتے ہیں۔ اس لئے میں پھل، دہی، خشک میوہ جات، سلاد اور مسلمانوں کے ہوٹل سے کوئلے پر بنی ہوئی مچھلی کھاتا۔ میں مسلمانوں کے ہوٹل میں بھی گوشت نہیں کھاتا تھا کیونکہ کھانا پکانے والے اور رکھنے والے کے بارے میں پتا نہیں ہوتا کہ مسلمان ہیں یا نہیں۔ میرا دوست مجھے اچھے سے اچھے ہوٹل لے جاتا مگر میں کچھ نہ کھاتا۔ میرے دوست نے پشاور یونیورسٹی کے کچھ نامی گرامی پروفیسروں کے نام لئے اور کہا کہ وہ ان کے ہاں مہماں تھے اور سوائے سور کے گوشت کے سب کچھ کھاتے تھے۔ ایک دن سفر کے دوران ایک ایسا مسلمانوں کا ہوٹل آیا جو نمازی تھے اور پوری تسلی ہوئی حلال کھانے کی تو میں نے دوست سے کہا کہ اب گوشت کھا سکتا ہوں۔ اس نے خوشی سے چھلانگیں لگائیں اور ساتھ لے جانے کے لئے بھی خرید لیا۔ ایک دن میرا دوست مجھے بدھ مت کے راہبوں کے ہوٹل لے گیا جہاں سارے کھانے سبزی سے بنے ہوتے ہیں اور چربی کا استعمال بھی نہیں کرتے۔ حیران رہ گیا کہ سبزیوں سے انتہائی نفیس اور انواع و اقسام کے کھانے پکائے گئے تھے۔ کھانے کے بعد قریبی بدھ مت کے مندر گئے جہاں مختلف مجسمے پڑے تھے۔ دوپہر کی نماز کا وقت ہوا تو اپنے دوست سے کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ مندر ہی میں نماز ادا کی تو

خوشی ہوئی کہ شاید ہی یہاں کسی نے نماز پڑھی ہوگی۔ اللہ قبول فرمائے۔

میری ایک ۶۵ سالہ پروفیسر کے ساتھ دوستی ہوگئی تھی۔ وہ رات کو میرے ہوٹل کے کمرے میں آتا اور اپنے ساتھ تندور کی روٹی مسلمانوں کے ہوٹل سے لاتا۔ وہ دیر تک مجھ سے اسلام کے بارے میں سوالات کرتا اور میں اپنی سمجھ کے مطابق جوابات دیتا۔ اس کو دوسری شادی پر اعتراض تھا جو مرد کر سکتے ہیں جبکہ عورت نہیں۔ اس کی بیوی ۶۷ سال کی تھی۔ اس نے کہا کہ بیوی کے بڑھاپے کی وجہ سے میرے اندر بے راہ روی آگئی ہے اس لئے مجھے بدنظری میں مزا آتا ہے اور ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ میں نے کہا کہ اسلام میں اسی لئے دوسری شادی کی اجازت ہے اور اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے میں نے کہا کہ آپ کی بیوی بھی بدنظری کرتی ہے۔ وہ اس پر چونکا اور اس نے کہا کہ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، عورتیں ایسی نہیں ہوتیں۔ میں نے کہا کہ خدا نے مرد اور عورتوں کی نفسیات جدا جدا پیدا کی ہے اس لئے مردوں کی طرح عورتوں کو ایک وقت میں دوسری شادی کی اجازت نہیں۔ جب اس کو اپنے سوالات کے جوابات مل گئے تو اس نے کہا کہ اگر اسلام اتنا اچھا مذہب ہے تو مسلمان کیوں اتنے پیچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ اکثریت اسلام پر پورا عمل نہیں کرتی اور جو کرتے بھی ہیں تو صرف ظاہری دین پر عمل کرتے ہیں، باطنی دین سے دور ہیں۔ اور جو لوگ دین پر اخلاص سے عمل کرتے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ مگر ایسے لوگ انفرادی طور پر کامیاب اور پرسکون ہیں۔ اس رمضان سے پہلے مجھے سوئٹزرلینڈ کے شہر زیورِک اور فرانس کے دارالخلافہ پیرس جانا ہوا۔

(جاری ہے)

اطلاع

آئندہ ماہانہ اجتماع ان شاء اللہ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز ہفتہ خانقاہ میں منعقد ہوگا۔ نماز عشاء سوا سات بجے (۷:۱۵)، بیان بعد از نماز عشاء ہوگا۔

چترال کی کارگزاری

۱؎ (محمد عبدالباسط خان)

محترم المقام حضرت اقدس مدظلہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

حضرت! بندہ کا چترال میں سیلاب زدگان کی امداد کے حوالے سے جانا ہوا اور آج بتاریخ ۲۳ شوال ۱۴۳۶ھ ظہر کے وقت پشاور پہنچا۔ چترال میں امدادی کام کی ترغیب دارالعلوم کراچی کے ایک بزرگ استاد مولانا اسحاق صاحب نے دی تھی جو دارالعلوم کے ''شعبۂ امداد متاثرینِ آفات'' کے ذمہ دار ہیں۔ بندہ نے اپنے متعلقین کو دعوت دے کر متاثرین کے لیے کپڑے، لحاف، برتن، خشک راشن وغیرہ لاہور ہی میں اکٹھا کیا اور اس سامان کے ساٹھ سے زائد پیٹیاں ٹرک کے ذریعہ چترال روانہ کی گئیں۔ اس سامان کی تقسیم ہماری مسجد کے امام صاحب نے اپنے ذمہ لی کیونکہ ان کا اپنا تعلق بھی چترال سے ہے۔

چترال کی صورتحال کی درست معلومات اور نقد رقم کو صحیح ہاتھوں میں پہنچانے کے لیے بندہ نے چترال کا قصد کیا۔ الحمدللہ! وہاں پر دارالعلوم کراچی کی طرف سے کام کرنے والے حضرات کے ذمہ دار مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب ہیں جو شاہی مسجد چترال کے صدر مدرس اور چترال کے تبلیغی مرکز کی شوریٰ میں ہیں۔ وہ دارالعلوم کراچی کے پرانے فاضل ہیں اور انہوں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃُ اللہ اور ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃُ اللہ کی صحبت بھی اٹھائی ہے۔ ان کا اصلاحی تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ یہ چترال میں کافی مشہور اور متحرک شخصیت ہیں۔ ان کے ساتھ کئی جگہوں پر جانا ہوا۔ خاص طور پر بونی کی طرف جو سڑک جاتی ہے، اس جانب ہم چترال سے تقریباً ۶۵ کلومیٹر تک گئے۔ راستے میں کئی مقامات پر تباہی کے مناظر دیکھے۔ پورے پورے گاؤں اور بستیاں اس طرح مکمل طور پر تباہ ہوئی ہیں کہ عذاب کا گمان ہوتا

ہے۔کئی مقامات پر اموات بھی ہوئی ہیں۔دریا کے کٹاؤ کی وجہ سے بونی کی طرف جانے والی سڑک ختم ہو چکی ہے اور فی الحال بونی اور اس سے ملحقہ علاقے موڑکھو، تورکھو کا زمینی راستہ منقطع ہے۔ مقامی لوگ کہتے ہیں کہ وہاں کی تباہی دیکھ کر انسان رو پڑتا ہے اور تباہی بھی وسیع پیمانے پر ہوئی ہے۔ ہمارا بمبوریت (کیلاش کا علاقہ) جانا تو نہ ہو سکا مگر مقامی لوگوں نے بتایا کہ وہاں پر بھی بہت تباہی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ ہم ایک مقام آیون بھی گئے، اس جگہ سیلابی پانی کے ساتھ آنے والے پتھروں نے دریا کے آگے بند باندھ دیا ہے اور دریا ایک ڈیم کی صورت اختیار کر چکا ہے۔پانی کے بہاؤ کے آگے کی جانب رک جانے کی وجہ سے اب دریا کا پانی دیگر سمتوں میں گھروں اور کھڑی فصلوں کو نقصان پہنچا رہا ہے۔اس کے علاوہ پورے چترال بشمول چترال شہر میں پانی اور بجلی کا نظام درہم برہم ہے کیونکہ بجلی کا گرڈ سٹیشن اور پانی کی پائپ لائن دریا اور سیلاب کی نظر ہو چکی ہے۔

حضرت! ہم نے مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب اور ان کے رفقاء کا کام دیکھا اور ان سے ملاقات کے بعد اطمینان ہوا کہ یہ حضرات اخلاص اور امانتداری سے کام کر رہے ہیں اس لئے جو رقم ہمارے پاس تھی وہ ان کے حوالے کی۔ دارالعلوم کراچی کے بڑے حضرات مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے ہیں لہٰذا ہم نے ان سے آئندہ کے لئے تعاون کے طریقۂ کار پر بھی بات کی۔ تباہی کے بعد لوگوں کو اپنے گھروں کے لیے ہر طرح کے سامان کی ضرورت ہے اور اجتماعی سطح پر پانی کے کنوؤں اور مساجد کی مرمت و تعمیر کی ضرورت ہے۔

حضرت! مقامی لوگوں کا کہنا تھا کہ اس طرح کا سیلاب اور اس نوعیت کی تباہی کبھی انہوں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔ ہماری جس سمجھدار آدمی سے بھی بات ہوئی تو وہ یہی کہتا تھا کہ یہ عذاب الٰہی ہے اور اس کا سبب بڑھتی ہوئی بے حیائی اور بے پردگی ہے اور اس بے حیائی کا سبب یہاں پر کام کرنے والی این جی اوز اور ڈش و ٹی وی ہیں۔ بندہ نے چترال شہر سے تقریباً ۶۰ کلومیٹر دور ''ریشن'' کے مقام پر ایک تباہ حال بستی دیکھی کہ جس کے ایک خستہ حال گھر کی چھت پر ڈش لگی

ہوئی تھی۔ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب کے بقول شاید یہ چھت اور ڈش اس لیے بچ گئی کہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ مزید یہ کہ کئی لوگوں نے بندہ کو ایک ایسا واقعہ سنایا کہ جس سے دل ہی دہل گیا اور یقین ہو چلا کہ واقعی یہ حالات اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی علامت ہیں۔ بتایا گیا کہ کچھ عرصہ پہلے ہی ایک آدمی نے اپنے ماں اور باپ دونوں کو ذبح کر دیا۔

حضرت! بندہ کے خیال میں جس طرح حضرت والا نے ان علاقوں میں اجتماعات رکھے اور ان کا فائدہ ہوا، اس طرح کے مزید اجتماعات ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً ہوتے رہنے چاہئیں کہ اس طرح کے اجتماعات علاقہ کے لیے رحمت کا باعث بنتے ہیں۔ مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب نے ایک بستی کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ چترال کے اس علاقے میں ہر سال سیلاب آتا تھا مگر وہ علاقہ اس سال بالکل محفوظ رہا اور واقعہ یہ ہوا کہ جس وقت پورا چترال سیلاب کی زد میں تھا، اس وقت سال والی ایک جماعت اس علاقہ میں موجود تھی۔

بندہ کی حضرت والا سے درخواست ہے کہ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی ٹوٹی پھوٹی اس چھوٹی سی کوشش کو اپنے فضل سے قبول فرمائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۲۔ (اسلم مروت صاحب)

اس وقت انسانیت سسک رہی ہے، ہر طرف سے عذاب نازل ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی ایک عذاب زدہ علاقے ضلع چترال جس میں سیلاب نے وہ تباہی مچائی ہے جس کو دیکھ کر ظالم سے ظالم انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ یقین کر لیتا ہے کہ ایک ایسی طاقتور ذات موجود ہے جو اگر غصے میں آجائے تو سیکنڈوں میں سب کچھ ختم کر سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اپنے اکابرین حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب اور ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب کے حکم پر چترال کے لئے روانہ ہوئے اور ڈاکٹر آصف جاہ صاحب نے لاکھوں روپے تقسیم کرنے کے لئے دیئے۔ صبح نماز کے بعد روانہ ہوا اور راستے میں نمازوں کی پابندی کرتے ہوئے عشاء کی نماز کے لئے دس بجے

چترال شہر کی مرکزی جامع مسجد پہنچا۔ مسجد میں تبلیغی اکابرین سے ملاقات ہوئی اوران کو بتایا کہ کسٹمز ہیلتھ کیئر سوسائٹی لاہور اور خونِ جگر فاونڈیشن ویلفیئر ہسپتال اینڈ بلڈ ٹرانسفیوژن سروسز یونیورسٹی ٹاؤن پشاور کی طرف سے اپنے غم زدہ بھائیوں کی مالی امداد کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد مقامی ساتھی کو ساتھ لیا، ٹیکسی پکڑی کیونکہ علاقے بہت دور دور تھے۔ سب سے پہلے سین اور پھر اس کے پاس شالی کے گاؤں میں گئے۔ گھر مکمل طور پر ختم ہو چکے تھے اور ایک خوبصورت مسجد جو دریا کے ساتھ تھی مکمل ختم ہو چکی تھی۔ غم زدہ بھائیوں کو حسبِ ضرورت نقد رقم اور کچھ کھانے کا سامان دیا جو کہ دیر بالا سے خریدا تھا۔ ان کو سینے سے لگایا۔ ان کے چہروں سے حسرت ٹپک رہی تھی۔ اس علاقے میں ایک پرائیویٹ پرائمری سکول کھلا تھا۔ ان بچوں میں پیسے اور مٹھائی تقسیم کی۔ اس سکول میں بچوں کو حفظِ قرآن بھی ساتھ ساتھ کرایا جاتا ہے۔ بچوں نے خوشی خوشی اسلام زندہ باد، پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا اور پھر اس کے بعد ہمارا سخت سفر شروع ہوا۔ پہلے دن کے سیلاب نے بَروز گاؤں میں جو تباہی پھیلائی تھی، اسے دیکھنے کی ہمت نہیں۔ اس گاؤں میں بے حیائی عام ہوگئی تھی۔ کوئی کسی کو برائی سے منع نہیں کرتا تھا۔ پانی نے اپنا رخ بدل کر کروڑوں کی املاک اور زمینیں پل بھر میں صفحۂ ہستی سے مٹا دی تھیں۔ یہاں پر اموات بھی ہوئی تھیں۔ مرحومین کے لئے دعا مانگی اور ان میں حسبِ ضرورت نقد رقم اور راشن تقسیم کیا۔ یہاں سے دو کلومیٹر دور اور غوچ نامی گاؤں میں جانا تھا جس کو سیلاب نے بہت نقصان پہنچایا تھا۔ پل ٹوٹ چکا تھا۔ سپیشل گاڑی میں دوسرے راستے سے تقریباً سو کلومیٹر (آنا جانا) طے کر کے انتہائی خطرناک راستے پر جو کہ اب استعمال میں نہیں رہا ہے، ہم اور غوچ پہنچے۔ تباہی کے مناظر نا قابلِ دید تھے۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ ہم نے دعا بھی مانگی اور ان میں نقد رقم اور سامان تقسیم کیا۔ وہاں سے رات کو واپس اپنے مرکز چترال پہنچے۔ راستے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے باجماعت نمازوں کا اہتمام ہوتا رہا ہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر ناشتہ کے بعد چترال شہر میں دریائے چترال کے کنارے ان گھروں میں گئے جو اب کھنڈرات کے مناظر پیش کر رہے تھے۔ ان کی قیمتی

زرعی زمینوں کو دریا کھا چکا تھا اور وہ لوگ بے بسی میں خونی لہروں سے خوف زدہ ہو کر دور سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں نقد رقم اور سامان تقسیم کیا اور ان کو توبہ کی تلقین کی تاکہ مزید تباہی سے بچ سکیں۔

اگلے دن ہیلی کاپٹر کے ذریعے بونی کی طرف جانے کا ارادہ تھا کیونکہ وہاں ایک مکمل دیہات مشغول ریشن صفحہ ہستی سے مٹ گیا تھا۔ لیکن ہیلی کاپٹر کی اجازت نہیں ملی کیونکہ وہ اس میں راشن کا سامان لے جا رہے تھے۔ اب سب سے زیادہ تباہ شدہ علاقہ بمبوریت کی وادی کی طرف جانا تھا۔ جہاں پر ابھی تک کوئی آدمی نہیں پہنچا تھا۔ سب لوگ ان کو چترال کی طرف بلا کر امداد دے رہے تھے کیونکہ جانے کا راستہ حد سے زیادہ خطرناک تھا لیکن بقولِ اقبالؒ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

اب میں، میرا ساتھی نصیر محمد اخلاصی، قاضی اسرار احمد صاحب جو بمبوریت کے ایک مذہبی راہنما ہیں، تینوں صحرائی کوہستانی افراد نے آنکھیں بند کیں، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی ذاتِ عالی پر توکل کیا اور بمبوریت کے لئے پیدل روانہ ہوئے۔ درمیان میں پل صراط کی طرح نازک راستہ آیا جس پر اگر ایک قدم ڈگمگا جاتا تو پھر لاش کراچی کے سمندر سے ملتی لیکن جس کی حفاظت خالق کرے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جب ہم عصر کے بعد بمبوریت کے بازار بیرن پہنچے تو ایسے لگا کہ دنیا ختم ہو چکی ہے۔ ہوٹل، گھر، مساجد، قبرستان سب کچھ غائب تھے۔ صرف بڑے بڑے پتھر میدان میں پڑے تھے۔ ہم نے نقد رقم اور تھوڑا سامان تقسیم کیا۔ جب ان لوگوں نے ہمیں دیکھا تو ان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہم دریا کو عبور کر کے آئے ہیں۔ ہم نے ان سب کو توبہ کی تلقین کی اور ان کو بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے حکم ٹوٹ رہے تھے تو سب خاموش تھے، اگر کوئی برائی سے منع کرتا تو شاید اتنی بڑی تباہی نہ ہوتی۔ پانی ان کے گھروں، سامانوں یہاں تک کہ ان کے کپڑوں کو بھی بہا کر لے گیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ اگلے دن ہم صبح کی نماز کے بعد بمبوریت

سے واپس چترال کے لئے روانہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایک بار پھر دریا کے نازک راستے کو عبور کیا۔ جیسے ہم چترال پہنچے دوسرے دن قاضی اسرار احمد صاحب نے فون کیا کہ بمبوریت پر صبح دوبارہ سخت سیلاب آیا اور رات کو تیسری بار سیلاب آیا اور جو مکانات باقی تھے وہ بھی ساتھ بہا کے لے گیا۔ اب میں نے ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب کو لاہور فون کیا کہ ابھی تک تو آپ رقم پہ رقم بھیج رہے تھے اور ہم تقسیم کر رہے تھے لیکن اب بمبوریت کے لئے خیمے، ترپالیں اور راشن کی اشد ضرورت ہے۔ دریا کے کنارے والے خوفناک راستے کو ہماری واپسی کے فوراً بعد پانی بہا کر لے گیا تھا۔ اب یہ سامان گدھوں کے ذریعے بمبوریت کے پرانے پیدل جانے والے راستے سے پہنچانا ہوگا۔ ڈاکٹر آصف جاہ صاحب نے فوری طور پر دوسری ٹیم کو خیموں اور ترپالوں کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ ٹیم گدھوں کے ذریعے سامان بمبوریت پہنچا کر تقسیم کر کے واپس بھی آ گئی ہے۔

میں نے وہاں پر نیک لوگوں اور بوڑھوں سے جو معلومات حاصل کیں اس کے مطابق یہ سب کچھ ہمارے اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔ بے حیائی، بے پردگی اور فحاشی کھلم کھلا کی جا رہی تھی۔ کسی کو روکنے کی کوشش تو دور کی بات ہے، کوئی اس کو دل میں برا بھی نہیں سمجھ رہا تھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بروں کے ساتھ نیکوں کو بھی برابر کر دیا۔ یہ نقصان تو شاید چند سالوں میں پورا ہو جائے لیکن اگر بے حیائی اور فحاشی کو نہ روکا گیا تو پھر شاید اس سے بھی شدید عذاب نازل ہو اور ہم سب کو تباہ کر کے رکھ دے۔ میں سب مسلمانوں سے یہ دست بستہ اپیل کرتا ہوں کہ فوری طور پر صدقِ دل سے توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہونے کے لئے تیار ہے مگر ہم صلح کرنے کے لئے تیار نہیں۔ چند دن بعد ہم پھر ڈاکٹر آصف محمود جاہ صاحب کے ساتھ چترال جا رہے ہیں۔ ان کے لئے گھر بھی بنائیں گے، خیمے اور ترپالیں بھی دیں گے، راشن بھی تقسیم کریں گے لیکن سب سے پہلے خود اور پھر ان سے سچی توبہ کرائیں گے انشاء اللہ۔ ہمارے پیر صاحب حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم بڑی توجہ کے ساتھ وطن عزیز کو عذابوں سے بچانے کے لئے توبہ کی تلقین کر رہے ہیں اور دعا میں مصروف ہیں۔

نمازیں

(قسط۔۹)

(قاضی فضل واحد صاحب)

سورج گِرہن، چاند گِرہن کی نماز

مسئلہ: سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت نماز پڑھنا مستحب ہے۔ سورج گرہن اگر ایسے وقت ہو جب نماز مکروہ نہیں ہوتی تو با جماعت ادا کی جائے۔ لمبی قرأت اور لمبا رکوع و سجود کیا جائے، لمبی دعا کے ساتھ، یہاں تک کہ سورج گرہن ختم ہو جائے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ کسی کی موت یا پیدائش سے گرہن زدہ نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ نشانی دکھاتا ہے تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور گناہوں سے رکیں۔ جب تم اس قسم کی نشانی دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یہ نشانی دیکھو تو جلدی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف اور دعا و استغفار کی طرف رجوع کرو۔

حدیث: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نمازِ خسوف میں بلند آواز سے بیان قرأت کی اور آپ ﷺ نے چار رکوع اور چار سجدے ادا کئے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف (سورج گرہن) کے موقع پر نماز پڑھی اور لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے لمبا قیام کیا۔ جس میں تقریباً سورۃ البقرۃ کی قرأت کی مقدار جتنا قیام کیا۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف (سورج گرہن) کے وقت نماز پڑھائی اور میں نے آپ ﷺ سے اس نماز میں قرآن پاک کا ایک حرف بھی نہیں سنا

(یعنی آپ ﷺ نے آہستہ قرأت فرمائی تھی)۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب تم دیکھو سورج گرہن کو تو تم نماز پڑھو۔ اسی طرح جس طرح کے قریب تر نماز تم نے پڑھی فرض نمازوں میں سے۔ (وہ صبح یا ظہر کی نماز ہو سکتی ہے)

مسئلہ: یہ نماز قرأت بالجہر اور بالاخفاء دونوں طرف جائز ہے۔

چاند گرہن: چاند گرہن کے وقت بھی دو رکعتیں مسنون ہیں لیکن جماعت مسنون نہیں۔ انفرادی طور پر گھروں ہی میں پڑھیں۔ (بحوالہ نماز کی مکمل کتاب۔ مولانا عبدالمعبود)

نمازِ استسقاء

جب بندوں کا عصیان وطغیان اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ احساس گناہ ہی جاتا رہتا ہے اور گناہوں کا سیلاب اکثر لوگوں کو بہا لے جاتا ہے تو قدرتِ قاہری کی طرف سے ان کی تادیب و گوشمالی ضروری ہو جاتی ہے اور غیرتِ حق وبا یا کسی دوسری بلائے عام کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

قحط کی تعریف: قحط سے مراد ہے امساکِ رزق، اب وہ خواہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہو یا ٹڈی کی آفت سے یا کسی اور وجہ سے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: قحط صرف بارش نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ قحط یہ ہے کہ مینہ برسے اور زمین سے کچھ پیدا نہ ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ طلبِ باراں کی دعا نہ کریں بلکہ مقصود یہ ہے کہ لوگ حصولِ رزق کا مدار بارش پر نہ سمجھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ وہ چاہے تو بلا باراں کے رزق سے مالا مال اور نہال کر دے۔

پس نمازِ استسقاء یا طلبِ باراں سے اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا جوئی اپنے معاصی و تقصیرات کا اعتراف اور معافی کی التجاء ہونی چاہیے۔ یہ ہے نمازِ استسقاء کی حقیقت وضرورت جس سے عام لوگ ناواقف ہیں۔

نمازِ استسقاء کا طریقہ: امام صاحبؒ کے نزدیک اس نماز کے لئے نہ جماعت مسنون ہے نہ خطبہ۔ مگر صاحبینؒ کے نزدیک اس کو دو رکعتیں مسنون ہیں جو جماعت وخطبہ کے ساتھ بغیر اذان واقامت کے ادا کی جائیں۔ (درمختار، عالمگیری)

قرأت ان دونوں رکعتوں میں پکار کر پڑھنی چاہئے، یہی مستحب ہے۔ پہلی رکعت الحمد کے بعد سورۃ ق اور دوسری میں سورۃ قمر یا پہلی میں سورۃ اعلیٰ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ پڑھنی چاہئے۔ (عالمگیری) اس نماز کا طریقہ یہ ہے کہ مقامی اسلامی حاکم، اگر اسلامی حکومت نہ ہو تو قاضیٔ شہر یا امامِ جامعہ لوگوں کو متواتر تین روزے رکھنے کا حکم دے۔ پھر چوتھے دن وہ تمام لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر آبادی سے باہر جنگل میں جائے اور وہاں نماز و دعا کرے۔ یہ بھی منقول ہے کہ اسی طرح مسلسل تین روز تک جانا اور نماز پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ عذر تقصیر تین مرتبہ کرنا معتاد ہے۔

جب جنگل کی طرف جائیں تو سواری پر نہیں بلکہ پیدل، سرافگندہ اور تذلیل وانکسار کی حالت میں جائیں، کپڑے سادہ اور صورتیں عاجزانہ ہوں، غرض لباس و پوشاک، حرکات وسکنات، طرزِ کلام اور اندازِ خرام سے تواضع، مسکنت اور عاجزی نمایاں ہو۔ ہر روز باہر جانے سے پہلے کچھ نہ کچھ خیرات دے کیونکہ شدائد ومصائب کے وقت صدقہ وخیرات کرنا مشروع ہے اور اس سے بلائیں ٹل جاتی ہیں۔

علاوہ ازیں حقوق العباد ادا کئے جائیں اور اپنے تمام گناہوں سے ازسرنو توبہ کی جائے کیونکہ عاصیوں اور غیر فرمانبرداروں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

مسنون دعا اور دیگر آداب:

خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ استسقاء کی دعا و نماز میں غریب وخستہ حال، ضعیف بوڑھے اور اہلِ صلاح وتقویٰ بکثرت شامل ہوں اور وہ جب دعا کریں تو اس میں جانوروں اور معصوم بچوں کے لیے خصوصیت سے رحم کی درخواست کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر

شیر خوار بچوں، بے زبان جانوروں اور عبادت گزار بندوں کا لحاظ نہ ہوتا تو تم پر عذاب ٹوٹ پڑتا۔
اور یہ مسنون دعا بار بار پڑھنی چاہیے۔

اللّٰھم اسق عبادک وبھائمک وانشر رحمتک واحی بلدک المیت

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندوں اور جانورں کو سیراب فرما، اپنی رحمت پھیلا اور اپنی مردہ آبادی کو زندہ کر۔

دعا میں تمام مقتدی صف بستہ دوزانو بیٹھیں اور امام روبقبلہ کھڑا ہو۔ دعا رقتِ قلب اور حضوریٔ دل سے کی جائے۔ دعا کے ساتھ اس یقین کا جذبہ بھی دل پر غالب ہونا چاہیے کہ ہماری دعا ضرور قبول ہو جائے گی۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: دعا کرو اور ساتھ ہی قبولیت کا یقین بھی رکھو۔
مستحب یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ وعبادت میں مشہور ہو اس کا دعا میں توسل کر کے یوں کہیں:

اللّٰھم انا نستسقیٰ ونستشفع الیک بعبدک فلان

یعنی الٰہی! ہم بارش مانگتے ہیں اور تیری بارگاہ میں تیرے فلاں بندہ کی سفارش لاتے ہیں۔
صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ طلبِ باران کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کیا کرتے تھے۔

خطبۂ استسقاء: دو رکعت نماز استسقاء ادا کر کے خطبہ پڑھے۔ ابوداؤد اور ابنِ حاکم نے نقل کیا ہے کہ جب آفتاب کا کنارا ظاہر ہو تو قاضی یا امام جنگل میں نکلے اور ممبر پر بیٹھ کر اللہ اکبر کہے اور خدائے عزوجل کی تعریف بیان کرے اور خطبہ یہ ہے:

الحمد للّٰہ رب العٰلمین ☆ الرحمٰن الرحیم ☆ مٰلک یوم دین ☆ لا الٰہ الا اللّٰہ یفعل ما یرید ☆ اللّٰھم انت اللّٰہ لا الٰہ الا انت الغنی ونحن الفقرآء انزل علینا الغیث واجعل ما انزلت علینا قوۃ بلغًا الٰی حین ☆

ترجمہ: سب تعریف خدا کو ہے جو دنیا جہاں کا پروردگار ہے، نہایت مہربان بہت رحم والا۔ روزِ جزا کا مالک۔ خدا کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ الٰہی تو ہی معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، تو غنی ہے اور ہم محتاج، ہم پر مینہ برسا اور تو نے ہم پر جو رزق اتارا ہے اس کو طاعت کی قوت کا سبب کر، اور مطلب کے پہنچنے کا باعث ایک مدتِ دراز تک کر یعنی اس کے سبب سے ہم مدت تک فائدہ اٹھائیں۔

اس کے بعد امام یا قاضی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے کہ بغل کی سفیدی ظاہر ہو یعنی ہاتھ خوب اونچے کرے، پھر آدمیوں کی طرف پیٹھ پھیر کر دعا کے لئے قبلہ رو ہو جائے، اپنی چادر کو پلٹے، ہاتھ اپنے اٹھائے رکھے، پھر آدمیوں کی طرف منہ کرے اور ممبر سے اتر آئے، چادر الٹنے کی ترکیب یہ ہے کہ داہنا سرا بائیں کی طرف ہو جائے اور بایاں داہنی طرف اور اندر کا رخ باہر اور باہر کا اندر ہو جائے۔

صحیح مسلم میں بارش کی دعا کے الفاظ یہ ہیں: اللّٰھم اغثنا... ان الفاظ کو تین بار کہے، یعنی اے اللہ ہم پر مینہ برسا۔ دوسری صحیح احادیث میں آیا ہے کہ بار بار یوں دعا کرے:

اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا مرینا مریعا نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل

ترجمہ: خداوند! ہمیں منہ کا پانی پلا کہ وہ ہماری فریاد رسی کرے اور انجام کار کے اعتبار سے سیر حاصل شاداب ہو، نفع پہنچائے اور نقصان نہ دے، جلدی برسے تاخیر نہ کرے۔

قحط کے متعلق چند روایتیں

کعب بن احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں سخت قحط پڑا۔ آپؑ بنی اسرائیل کو لے کر استسقاء کے لئے جنگل کی طرف نکلے۔ تین دن تک نماز پڑھتے اور دعا مانگتے رہے مگر بارش نہ ہوئی۔ جنابِ باری سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تمہاری قوم میں ایک شخص چغل خور ہے اس لئے تمہاری دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی خداوند! وہ شخص کون ہے؟ ہمیں معلوم ہو جانا چاہیے تاکہ ہم اسے اپنی جماعت سے علیحدہ کر دیں۔

ارشادِ باری ہوا: حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تم لوگوں کو چغلی سے منع کرتا ہوں تو کیا خود ہی چغلی کھانے لگوں؟ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام لاجواب ہوگئے اور اپنی قوم کو حکم دیا کہ تم میں سے ہر شخص چغلی کھانے سے توبہ کرے۔ سب لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی تب بارش ہوئی۔

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل پر متواتر سات سال قحط رہا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے مردار جانور اور بچے تک کھانے شروع کردیے۔ وہ ہمیشہ پہاڑوں پر جا کر گریہ وزاری کرتے اور بارش کی دعا مانگتے مگر قبول نہ ہوتی تھی۔ آخر خدا تعالیٰ کی طرف سے اس قوم کے نبی علیہ السلام پر وحی آئی کہ میں تم میں سے کسی کی نہ دعا قبول کروں گا اور نہ کسی کے رونے پر رحم کھاؤں گا تاوقتیکہ تم لوگ غصب کردہ حقوق ان کے حقداروں کو ادا نہ کرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے تمام غصب کردہ حقوق العباد ادا کئے۔ تب ان پر بارش ہوئی۔ پس ہمیں بھی چاہیے کہ طلبِ باراں کی دعا سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرلیا کریں۔ (بحوالہ نماز کی سب سے بڑی کتاب)

بیمار کی نماز

مسئلہ: اگر کوئی آدمی بیماری سے زیادہ کمزور ہوگیا ہو کہ کھڑا ہونے کی طاقت نہ ہو تو اسے بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہیے اور اگر رکوع وسجدہ کرنے کی سکت نہ رہی ہو تو اشارے سے نماز پڑھے۔

رکوع کی نسبت سجدہ کا اشارہ ذرا پست کرے۔ لیکن کوئی چیز اُٹھا کر پیشانی کے سامنے کر کے اس پر سجدہ نہ کرے۔ (ہدایہ)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو۔ اگر بیٹھ کر پڑھنے سے عاجز ہو تو پہلو پر لیٹ کر اشارہ سے پڑھو۔ (بخاری)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے اگر تمہاری طاقت ہو کہ تم زمین پر سجدہ کرو تو تمہیں زمین پر سجدہ کرنا چاہیے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر سر کے اشارہ سے سجدہ کرو۔ ورنہ سجدہ کو رکوع

سے زیادہ پست کرو۔

مسئلہ: اگر ایسی کمزوری ہو کہ بیٹھ کر بھی نماز نہیں پڑھ سکتا تو چت لیٹ کر پڑھے اور پاؤں کا رخ قبلہ کی طرف کر دے اس طرح بھی جائز ہے اور رکوع وسجدہ اشارہ سے کرے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مریض چت لیٹ کر نماز پڑھے اور پاؤں کا رخ قبلہ کی طرف کر دے۔

مسئلہ: اگر پہلو کے بل لیٹ کر منہ قبلہ کی طرف کر لے تو اس طرح بھی جائز ہے۔

مسئلہ: اگر سر کے اشارہ کرنے کی طاقت نہ رہے تو پھر اسی حالت میں نماز مؤخر کر دے۔ کیونکہ آنکھ، دل اور ابرو کا اشارہ معتبر نہیں ہے۔ اگر تندرست ہو گیا تو قضا کرے گا۔ ورنہ موت واقع ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی آدمی قیام پر قادر ہو لیکن رکوع وسجدہ پر قادر نہ ہو تو اس پر قیام لازم نہ ہو گا بلکہ وہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

مسئلہ: اگر تندرست آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو لیکن اس دوران اس پر بیماری کا حملہ ہو جائے اور کھڑا رہنے پر قادر نہ ہو تو اسے باقی ماندہ نماز بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ یا اشارہ کے ساتھ پوری کر لینی چاہیے۔ اگر اس پر بھی قادر نہ ہو پھر لیٹ کر ہی پوری کر لے۔

مسئلہ: جو شخص بیماری کی وجہ سے بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو، اگر درمیان میں تندرست ہو جائے تو باقی ماندہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرے۔

مسئلہ: اگر کسی مریض نے کچھ نماز اشارہ سے پڑھی پھر رکوع وسجود پر قادر ہو گیا تو نئے سرے سے پوری نماز پڑھنی ہو گی۔ پہلی نماز پر بنا کرنا درست نہ ہو گا۔

مسئلہ: جس مریض میں اتنی قوت نہ ہو کہ خود وضو یا تیمّم کر سکے تو دوسرے آدمی سے وضو یا تیمّم وغیرہ میں مدد لے۔ بغیر وضو یا تیمّم کے اور بغیر قبلہ رخ کے نماز نہ پڑھے لیکن اس صورت میں بھی نماز معاف نہ ہو گی جس طرح اور جس وقت میسر ہو، ادا یا قضا اس نماز کو پڑھے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص بستر پر بیمار پڑا ہے، قبلہ کی طرف منہ نہیں کرسکتا اور اس کے پاس کوئی ایسا آدمی بھی نہیں جو اس کا منہ قبلہ کی طرف کر دے تو وہ جدھر چاہے منہ کر کے نماز پڑھ لے، اسے کفایت کرے گی۔ یا مریض کا رخ پھیرنے سے ضرر پہنچتا ہو تو جس رخ پر ہے نماز پڑھے۔

مسئلہ: جس آدمی نے آنکھ بنوائی ہو اور ڈاکٹر نے چند دن چت لیٹنا لازمی قرار دیا ہو تو وہ چت لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اور ظاہر ہے کہ اشارہ میں سر کی حرکت ضروری ہے، اس کے بغیر نماز نہیں ہوسکتی اور نماز ترک کرنا بھی ممکن نہیں کیونکہ عقل صحیح وسالم ہے، کوئی بے ہوشی نہیں ہے، لہٰذا ڈاکٹر سے اجازت حاصل کر کے سر سے اشارہ کر لینا چاہیے۔

ایسا مریض جس کی آنکھ پر پٹی بندھی ہو وہ اسے چھوڑ کر باقی چہرہ دھو دے اور پٹی پر مسح کرے۔ اگر باقی چہرہ دھونے سے آنکھ کو نقصان پہنچتا ہو تو سارے منہ پر مسح کر لے اور باقی اعضاء کو دھوئے۔ اگر کسی عذر کی وجہ سے تیمّم کرنا ہو، تیمّم موافق قاعدے کے کرے۔ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری دونوں ہاتھوں کے لئے۔

مسئلہ: جو مریض مسلسل دن رات بے ہوش رہے اور اسکی چھ نمازیں یا اس سے زیادہ فوت ہوگئی ہوں تو اس کی قضا لازم نہیں۔ تاہم اشاروں سے بحالتِ مرض فوت شدہ نمازوں کو پڑھ لے تو ادا ہو جائیں گی۔

مسئلہ: شیخِ فانی اور دائمی مریض، جو نماز کسی طور بھی پڑھ سکے، وہ نمازوں کا فدیہ خود نہیں دے سکتا اور نہ ہی فدیہ دینے سے نمازیں ساقط ہوں گی۔ البتہ نماز میں سہولت ضرور ہے کہ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر پڑھ لے۔ رکوع وسجود نہ کر سکے تو اشاروں سے پڑھے۔ البتہ اس کے فوت ہو جانے کے بعد جو نمازیں اس کے ذمہ رہ گئی ہوں، یا روزے رہ گئے ہوں تو ان کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے اور جو مال چھوڑے اس میں سے وارثوں کے ذمہ فدیہ ادا کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند بحوالہ نماز کی کتاب)

(جاری ہے)

کلامِ مجذوب

وہ اشعار جن کو اپنے پیر و مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہٗ مجاز حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ اپنے حسبِ حال نہایت درد سے پڑھتے تھے۔

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
غنچۂ دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں

بادِ صبا ہو، ابر ہو، موسمِ نو بہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

جائیں بچشمِ نم کہاں روئیں اب اپنا غم کہاں
پہلے سے اب کرم کہاں ایسا تو اب کوئی نہیں

ہجر کی شب عجب ہے شب حال یہ کیا ہے العجب
تارے ہیں روشنی نہیں، چاند ہے چاندنی نہیں

حال میں اپنے مست ہوں غیر کا ہوش ہی نہیں
رہتا ہوں میں جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رونقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

اس دلِ زار سے مفر عشق میں جیتے جی نہیں
رونا ہے مجھ کو عمر بھر، غم مِرا عارضی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گماں زندہ ہی ہوں میں اب کہاں
وہ جو تھا اپنا جانِ جاں پہلو میں جب وہی نہیں

(باقی صفحہ ۶۲ پر)